علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ

بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ



چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد

شمارہ:08 | جلد:23 | اگست 2014ء/شوال 1435ھ

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | عکاشہ مجاہد | حافظ محمد ندیم
قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد | حافظ عثمان یوسف
طارق جاوید عارفی | محمد اعظم یٰسین

آرٹ اینڈ ڈیزائن
ہارون الرشید (آرٹ ڈائریکٹر) عبدالرافع (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

وسعتِ دامان

اداریہ — آخر ہم بحرانوں سے کب نکلیں گے؟ — چیف ایڈیٹر — 5

تجلیات قرآن — ہفتہ وار قرآنی نصاب — محمد نعمان فاروقی — 9

انوارِ حدیث — مریضوں کے نام — محمد سیف اللہ لغاری — 15

تعلیم و تعلم — طلبائے علوم نبوت — حافظ محمد حق نواز — 18

اشاعت حدیث — غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث — ابوانس — 21

سیاسیات — آزادی کی نعمت — مولانا عبداللہ ناصر رحمانی — 22

تحقیق مسائل — جنت میں داخلہ.....؟ — حافظ شبیر صدیق — 29

افتاء و ارشاد — آپ کے سوالات اور ان کا حل — ابوالحسن حافظ عبدالخالق — 33

تعمیر و ترقی — زندگی کا نصب العین متعین کیجیے! — حافظ عبدالسمیع — 36

مکتوب الریاض — بانکے لال سے.....ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی تک — عبدالمالک مجاہد — 39

اصلاح معاشرہ — مکافاتِ عمل — ڈاکٹر عبدالغنی فاروق — 46

انٹرویو — میں نے پاکستان بنتے دیکھا — مولانا یوسف انور — 50

طب و سائنس — انگور — ڈاکٹر طارق ریاض — 56

مکتوب امریکہ — دوران نماز پیشاب کے قطرے — حافظ عبدالوحید سوہدروی — 59

امن و امان — امن کے اسباب و عوامل — حافظ ذیشان ایوب شاکر — 63

گوشۂ خواتین — قرآن میں مذکور مائیں — طارق جاوید عارفی — 65

عالمی منظرنامہ — اسرائیلی درندگی فلسطین کے تاریخی پس منظر میں — محسن فارانی — 68

تجزیہ — عراق: تجزیاتی رپورٹ — ولید ملک — 71

■ ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہ ہے۔ نفسِ مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

ناشر محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

■ برائے ایزی پیسہ:
موسیٰ علی
0313 75 79 034
شناختی نمبر
34101-4002586-9

■ آن لائن کروانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی 823 71 70 300 92+
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی 034 79 75 313 92+

سالانہ زرتعاون
عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے
دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 40 روپے

پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36 لوئر مال، لاہور

آخر ہم بحرانوں سے کب نکلیں گے؟

وطن عزیز پاکستان پر آئے دن بحران آتے رہتے ہیں۔ ملک ایک بحران سے نکلتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ اخبارات کی سرخیاں اور میڈیا چینلز چیخ چیخ کر ہمیں بتاتے رہتے ہیں کہ بس پاکستان میں عنقریب انقلاب آنے والا ہے۔ حکومت اب چند گھنٹوں کی مہمان ہے۔ بس چند دنوں کی بات ہے کہ انقلاب اب آیا کہ آیا۔ وہ کس قسم کا انقلاب ہوگا اس کا علم کسی کو نہیں۔ کہیں سے فوجی بوٹوں کی آواز آتی ہے تو کہیں سے تبدیلی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ایک جانب سے سونامی اور سسٹم کو ڈی ریل کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

ملک کے مسائل ہیں کہ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان کی مسلح افواج شدت پسند عناصر کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ آپریشن ضرب عضب جاری ہے۔ بلاشبہ ملک میں مہنگائی میں خوب اضافہ ہو گیا ہے۔ عام آدمی اس میں پس کر رہ گیا ہے۔ مہنگائی کا جن تو کسی کے قابو میں نہیں آ رہا، لوڈ شیڈنگ بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح گزشتہ ادوار میں تھی۔ ادھر میڈیا پر کچھ سیاسی یتیم بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہیں، حکومتی اقدامات پر بلاشبہ ہمیں بہت سے تحفظات ہیں۔ بہت سارے ایسے مسائل ہیں جن پر حکومت چاہے تو قابو پا سکتی ہے۔ بھلا کون نہیں چاہتا کہ وطن عزیز میں قانون کی حکمرانی ہو۔ ہر کام میرٹ پر ہو۔ رشوت، کرپشن، اقرباء پروری، لاقانونیت، پولیس گردی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ تمام محبِّ وطن یہی کچھ تو چاہتے ہیں۔ ہم بھی اس مقصد کے حصول کے لیے دل و جان سے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہیں، مگر بدقسمتی سے ہمارے بہت سارے سیاسی رہنماؤں کا ایجنڈا بڑا عجیب وغریب اور حقائق کے خلاف ہے۔ ان کے مفادات کے ڈانڈے کہیں اور جا کر ملتے ہیں۔ ان کی تاریں ہلانے والے ملک سے باہر بیٹھے ہیں۔ تبدیلی اور انقلاب کا نعرہ لگانے والے اگر پاکستان اور اسلام کے ساتھ مخلص ہوتے تو یقیناً ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے، ان کے ساتھ قدم ملا کر چلتے، مگر حقیقی انقلاب اور درست تبدیلی ان میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا، اس لیے کہ صحیح تبدیلی اگر آ جائے، ملک میں قانون کی بالا دستی ہو تو پھر ہمارے کتنے ہی سیاسی رہنما جیل کی کوٹھڑیوں میں دکھائی دیں گے اور سوئٹزرلینڈ سے ان کی لوٹی ہوئی دولت واپس بھی آ جائے گی۔ کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص شیخ رشید اور طاہر القادری جیسے لیڈروں سے توقع رکھ سکتا ہے کہ یہ لوگ انقلاب لائیں گے۔ کون سا طبقہ ہے جو شیخ رشید کی باتوں کو سنجیدگی سے لیتا ہے۔ یہ تو مختلف ٹی وی چینلز کی مہربانی ہے کہ وہ چسکے لینے کے لیے شیخ رشید کو اپنے سٹوڈیو میں بلوا لیتے ہیں اور خوب لچھے دار گفتگو کروا کے اپنے دل کی بھڑاس نکلوا لیتے ہیں۔ ان کے مطابق حکومت چند ماہ سے زیادہ چلتی نظر نہیں آ رہی۔ ہمارے نزدیک چند مخصوص اور بیمار ذہنیت کے لوگوں کے علاوہ کوئی سنجیدہ شخص اس قسم کی سوچ نہیں رکھتا۔ حکومت دھرنوں اور لانگ مارچ جیسی حرکتوں سے نہیں جایا کرتی۔ ان لوگوں کے پاس کوئی ایجنڈا تو ہے نہیں۔ طاہر القادری صاحب کینیڈا سے اپنے نام نہاد انقلاب کے ساتھ پاکستان میں وارد ہوئے ہیں۔ موصوف نہ جانے کس کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ چوہدری برادران کو ان دنوں کوئی پوچھنے والا تھا نہ ہی انھیں کوئی خاص کام تھا۔ اس لیے انھوں نے بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا مزا لینے کی کوشش کی۔ قادری صاحب کا استقبال کرنا، ان سے لمبی ملاقاتیں کرنے کے لیے ان کی دعوتیں قبول کرنا حقیقی دنیا میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

چوہدری صاحبان کی سیاست کس قسم کی ہے اس کے بارے میں اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ قوم کے کانوں میں چوہدری برادران کے یہ الفاظ ابھی تک زہر گھول رہے ہیں: ہم پرویز مشرف کو دس بار وردی میں صدر منتخب کروائیں گے۔

جہاں تک نام نہاد شیخ الاسلام کا تعلق ہے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ شیخ الاسلام کا لقب صرف ایک ہی شخصیت پر جچتا ہے وہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ہیں۔ خود ساختہ شیخ الاسلام جو شہرت کا اتنا بھوکا ہے کہ وہ اپنی ذاتی پبلسٹی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ویسے تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہمارے قارئین کی اکثریت اس شخص کے کردار سے اچھی طرح واقف ہے، لیکن محض یاد دہانی کے لیے لکھے دیتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن کریم ہاتھ میں پکڑ کر کہا: میں نے شریف فیملی سے کبھی کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر میں نے کوئی مالی منفعت حاصل کی ہو تو روز قیامت مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ سادہ لوح لوگوں کے لیے اس قسم کی باتیں بڑی متاثر کرنے والی تھیں۔ مگر کیا کیا جائے ان ٹی وی چینلز والوں کا کہ ان کے پاس تو ہر قسم کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ انھوں نے جلد ہی موصوف کا چہرہ بے نقاب کر دیا۔ انھوں نے 1989ء میں اتفاق مسجد میں کی گئی ان کی تقریر ٹی وی پر دکھا دی۔ جس میں موصوف نے شریف فیملی سے حاصل کردہ بہت سے مالی اور اخلاقی احسانات کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ ان احسانات کے باعث میری آنکھوں میں میاں صاحبان کے لیے مرتے دم تک حیا رہے گی۔ مگر انھوں نے انتہائی بے حیائی اور ڈھٹائی سے میاں صاحبان کے تمام احسانات کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنے ہر بیان میں انھیں گالی گلوچ سے نوازتے ہیں۔

طاہر القادری یقیناً اپنا وہ خواب بیان کرنے پر پچھتا رہے ہوں گے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں خواب میں بتایا کہ ان کی عمر رسول اکرم ﷺ کی طرح تریسٹھ سال ہوگی۔ موصوف کے سرٹیفکیٹ، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے مطابق ان کی عمر اب تریسٹھ سال سے متجاوز ہے۔ نہ جانے وہ اس کی کیا توجیہ بیان کرتے ہوں گے۔

ہم تو ابھی تک قادری صاحب کی اس ہرزہ سرائی کو بھی نہیں بھولے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس شرط پر پاکستان آنا قبول کیا تھا کہ طاہر القادری ان کے قیام وطعام اور سفر کے اخراجات برداشت کرے گا۔ نعوذ باللّٰہ من ھذہ الھفوات.

ہمیں ان کے تضادات پر مبنی وہ ویڈیو کلپ بھی دیکھنے کا موقع ملا ہے جس میں موصوف بیان کرتے ہیں کہ توہین رسالت کا قانون غیر مسلموں پر لاگو نہیں ہوتا۔ جبکہ پاکستانی چینلز پر کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق مسلم وغیر مسلم دونوں پر ہوتا ہے۔ مغربی میڈیا پر توہین رسالت کے موضوع پر ان کے تضادات بڑے واضح ہیں۔ یہ داستان بڑی طویل ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو شہرت حاصل کرنے کا بیماری کی حد تک خبط ہوتا ہے۔ وہ شہرت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا حربہ اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ عصر حاضر میں موصوف ان لوگوں میں پیش پیش ہیں۔ اس لیے نون لیگ کی حکومت کو ان سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی پارٹی نے الیکشن میں حصہ لے کر دیکھ لیا تھا عوام میں ان کی قطعاً کوئی ساکھ نہیں۔ تنخواہ دار ملازموں کے جمع ہونے سے انقلاب نہیں آیا کرتے۔ ان میں کوئی جان نہیں ہے۔ عوام نے ان کا شہرت پسند چہرہ بڑی حد تک دیکھ بھی لیا ہے اور آئندہ دیکھتے بھی رہیں گے۔ ایسے لوگ بعض نادیدہ قوتوں کے اشارے پر انقلاب انقلاب کی بولیاں بولتے ہیں، مگر ملکی سیاست میں ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ انھیں صرف اور صرف شہرت چاہیے۔ میاں محمد نواز شریف کے سعودی عرب کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات بھی قادری صاحب سے برداشت نہیں ہوتے اور وہ موقع بموقع میاں صاحب کے خلاف اپنا بغض نکالتے رہتے ہیں۔

جہاں تک عمران خان صاحب کا تعلق ہے تو وہ یوٹرن لینے کے عادی ہیں۔ اس لیے ہمارے ایک دوست کا ان کو مشورہ ہے کہ وہ اپنا نام تبدیل کر کے یوٹرن خان رکھ لیں۔ اس لیے کہ ان کی زندگی یوٹرنز سے عبارت ہے۔ اس شخص کا اخلاق کیسا ہے اس کے بارے میں جاننے کے لیے 1989ء سے 1993ء تک کے اخبارات دیکھے جائیں تو چونکا دینے والے حقائق سامنے آتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کی اخلاقی ساکھ کیسی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ شوکت خانم ہسپتال کے لیے زمین میاں محمد نواز شریف نے ہی الاٹ کی تھی۔ اس کی بلڈنگ کے لیے فنڈز کی فراہمی،

انفراسٹرکچر کا مہیا کرنا یہ سب میاں صاحبان کا مرہون منت تھا۔ اس دور میں عمران خان صاحب ہر چوتھے دن میاں صاحب سے ملاقات کرتے تھے۔ ہسپتال کا افتتاح کس نے کیا تھا؟ کیا یہ اخلاقی پستی کی انتہا نہیں ہے کہ سیاست میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو کام کیے گئے ان میں نواز شریف صاحب کے نام والی تختی کا ہسپتال سے اتارنا بھی شامل تھا۔

عمران خان صاحب وہی ہیں جو ایک دور میں پرویز مشرف کے گیت گاتے رہے۔ جب ریفرنڈم کی بات ہوئی تو خان صاحب نہ صرف اس کا خیر مقدم کرنے والوں میں سے تھے بلکہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیا تھا۔ ایک ایک شخص نے سیکڑوں ووٹ ڈالے تو خان صاحب کو اس دھاندلی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مشرف صاحب نے شاید ان کو وزارت عظمیٰ کا جھانسہ دیا تھا۔ نائن الیون ہوا تو مشرف صاحب امریکی صدر کی ایک فون کال پر ڈھیر ہو گئے۔ خان صاحب کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ پاکستان سے بے قصور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا گیا۔ خان صاحب کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا، مگر ان ساری حمایتوں کے باوجود خان صاحب کو وزارت عظمیٰ نہ مل سکی۔ اقتدار کا ہما خان صاحب کی بجائے ظفر اللہ جمالی صاحب کے سر پر جا بیٹھا۔ خان صاحب پھر بھی مشرف صاحب کے گن گاتے رہے، مگر ہائے ری قسمت! ظفر اللہ خان جمالی صاحب کے بعد اقتدار شوکت عزیز صاحب کے سپرد ہو جاتا ہے۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ اقتدار انھیں ملنے والا نہیں تو نائن الیون کے چار پانچ سال بعد انھیں یاد آیا کہ یہ تو امریکہ کی جنگ ہے، جو ہم لڑ رہے ہیں۔ ڈرون حملے ہماری سلامتی کے خلاف ہیں۔ خان صاحب کے بارے میں حقائق کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ جو ہم کسی اور موقع پر بیان کریں گے۔ اتنا جان لیجیے کہ آج ایک مالدار شخص جہانگیر ترین نے پارٹی کو یرغمال بنا رکھا ہے اور بڑے بڑے اہم فیصلے انھی کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ وہ خود بھی سرمائے کے بل پر تحریک انصاف کے غیر منتخب نامزد سیکریٹری جنرل کی سیٹ پر براجمان ہیں۔

14 اگست کو اسلام آباد کے ڈی چوک پر عمران خان کا جلسہ اور لانگ مارچ یہ سب کس کے اشارے پر ہے؟ ہمارے دشمن تو چاہتے ہیں کہ حکومت کمزور ہو۔ 2013ء کے الیکشن سے پہلے پوری دنیا کے آزاد ذرائع نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ مسلم لیگ (نون) کی حکومت بننے جا رہی ہے۔ الیکشن سے پہلے عوام کا جوش و خروش میاں نواز شریف کے جلسے، جلوس، الیکشن کمپین اور ووٹروں کا رجحان واضح طور پر بتا رہے تھے کہ لوگ کس کے ساتھ ہیں۔

ہمیں یہ ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ میاں محمد شہباز شریف نے اپنی وزارت اعلیٰ کے ادوار میں جو بے شمار ترقیاتی کام کیے ہیں وہ عوام کے سامنے ہیں۔ ریکارڈ وقت میں میٹرو بس کا چلنا حکومت کی شاندار کامیابی ہے۔ لاہور کو دیکھیں تو آدمی اس کے حسن میں کھو جاتا ہے۔ ہمارے ان سیاسی رہنماؤں کو پاکستان کی ترقی ایک نظر نہیں بھاتی۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ اگر میاں نواز شریف کی حکومت پانچ سال پورے کر جاتی ہے تو حکومت ایک مرتبہ پھر خود بخود نون لیگ کے مقدر میں ہو گی اور یہی صدمہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ وہ حکومت کو ہر طرح کمزور کرنے کے لیے پوری کوششیں اور سازشیں کر رہے ہیں۔ ہم جناب عمران خان صاحب کو یہی مشورہ دیں گے کہ وہ محبِّ وطن پاکستانی کا کردار ادا کریں۔ پاکستان اس وقت تشدد پسندوں کے خلاف ایک لمبی جنگ لڑ رہا ہے۔ ضرب عضب کو تمام پاکستانیوں کی غیر مشروط حمایت درکار ہے۔ تمام محبِّ وطن قوتوں کو وطن دشمن قوتوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننا ہے۔ پاکستان کے دشمنوں کی شدید خواہش ہے کہ ضرب عضب ناکام ہو۔ اگر خدانخواستہ پاکستانی فوج اس موقع پر اپنے اہداف حاصل نہ کر سکی تو یہ پاکستان کے لیے ایک بڑی بدقسمتی ہو گی۔ ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان سیاسی بحرانوں سے نکلیں، ہمارے نزدیک موجودہ حکومت کو گرانے کی ہر کوشش نہایت ناپسندیدہ اور قابل مذمت ہے۔ براہ کرم ملک کو چلنے دیں۔ وطن عزیز مزید بحرانوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

محبکم

عبدالمالک مجاہد

جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل!

ایڈیٹر

اسرائیل کا حالیہ ظلم و تشدد ایک مرتبہ پھر انسانیت کو شرمسار کر رہا ہے۔ سلامتی کونسل کا موثر عملی اقدام نہ کرنا بھی اقوام متحدہ کے متعصبانہ چہرے کو بے نقاب کرتا ہے۔ اور ایسے مظالم پر امت مسلمہ کی بے حسی اور خاموشی بھی کسی اندوہناک صورتِ حال سے کم نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسرائیل کن سامراجی طاقتوں کی بیساکھیوں پر اپنا ناجائز وجود برقرار رکھے ہوئے ہے اور مظالم ڈھا رہا ہے۔ ایسی سامراجی طاقتوں کا کم از کم سوشل بائیکاٹ تو کیا جاسکتا ہے۔ ان مظالم کے خلاف آواز حق بلند نہ کرنا ظالم کا ساتھ دینے کے مترادف ہے۔

مذہبی جماعتیں اور ان کے قائدین محض دعوے کرتے ہیں کہ ''ہم وقت آنے پر خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔'' نہ معلوم ان قائدین کا ''وہ'' وقت کب آئے گا جب یہ خون کا آخری قطرہ بہائیں گے!! وقت تو آ چکا ہے۔ دنیا بھر کے مظلوم مسلمان مدد کے لیے پکار رہے ہیں انھیں مدد کی اشد ضرورت بھی ہے۔ ان پر ہونے والے روح فرسا مظالم میڈیا کی سکرین پر موجود ہیں مگر ایسی صورتِ حال میں بھی محض دعوے اور دعووں کی گونج میں دعوتیں کیے جانا اور کوئی منصوبہ بندی نہ کرنا ایک سنگین مذاق ہے۔ اگر کچھ نہیں کر سکتے تو ان کے بارے میں اچھے جذبات رکھ کر صدق دل سے دعا کرنا اس سے بہت بہتر ہے کہ لوگوں کو روایتی مظاہروں میں اکٹھا کر کے ان کے کانوں کو انھی بلند بانگ دعووں کی بوچھاڑ سے چھلنی کر دیا جائے۔

زبانی دعووں کی بازگشت سے کان پکے ہوئے ہیں، تحریروں کے انبار لگے ہوئے ہیں، تحریکوں کے ''غلے'' بھرے ہوئے ہیں اور نعروں سے تاریخ کا گنبد گونج رہا ہے، اس کے باوجود دشمن جب چاہتا ہے صرف اسلام کے ''جرم'' میں مسلمانوں کو آتش و آہن میں نہلا کر ہمیشہ کی نیند سلا دیتا ہے۔ اور اس کی سفاکی عورتوں اور معصوم بچوں میں بھی فرق روا نہیں رکھتی۔ اس میں بہت بڑا کردار ان نام نہاد اسلامی حکومتوں کا بھی ہے جو اپنے ہی مسائل میں بری طرح الجھی ہوئی ہیں یا انھیں الجھایا گیا ہے کہ وہ کسی مظلوم مسلمان کی مدد کے لیے آئینی اور انتقامی اقدامات سے قاصر ہیں۔ حکومتیں بھی زیادہ سے زیادہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں۔ عالم کفر کے سامنے ان کی یہ بے بسی خطرناک حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ وہ اپنے ممالک میں ہونے والی دشمن کی کارروائیوں کے خلاف بھی محض صدائے احتجاج ہی بلند کر سکتے ہیں۔ یہ بے چارے عالمی سطح پر ہونے والے مظالم کے خلاف کیا عملی اقدامات کریں گے؟ مقام شکر ہے کہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے فلسطین کے بارے میں موثر آواز بلند کی اور یوم سیاہ منانے کا اور خطیر رقم بطور امداد دینے کا اعلان کیا ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور تمام بلاد اسلامیہ کا بلاک بنانا ضروری ہے جو OIC جیسی سست روی اور بے حسی سے یکسر مختلف ہو۔ پاکستان ایٹمی صلاحیت کا حامل ہے اور سعودی عرب مقدس مقامات کی سرزمین ہونے کے ساتھ ساتھ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ ان دونوں اسلامی ممالک کو آگے بڑھ کر امت کی قیادت کرنی چاہیے۔ اور ایسے بحرانوں سے امت کو بچانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد میں کوشاں رہتے ہیں۔

14 اگست کے اس اہم موقع پر ہمیں یہ عزم کرنا ہے کہ ہم اپنے باہمی مذہبی اور سیاسی اختلافات اور انتشار و افتراق کو بھلا کر اپنی جمعیت کو مستحکم کریں، اپنی صلاحیتوں کو نکھاریں، مذہب کو اہمیت دیں اور پاکستان کو ایک مضبوط اسلامی فلاحی ریاست بنائیں۔ اگر ہم حکومت اور اپوزیشن کے انھی چکروں میں گھرے رہے تو ''اسلامی فلاحی ریاست'' کی منزل دور تر ہوتی چلی جائے گی۔

رشتہ درودیوار سے تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
مت گرا اس گھر کو، یہ تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
کیوں لڑیں آپس میں ہم اک اک سنگِ میل پر
اس میں نقصانِ سفر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے



محمد نعمان فاروقی

نبی ﷺ کا مقرر کردہ

ہفتہ وار قرآنی نصاب

اور اس کے اہم موضوعات و تعلیمات

قسط:2/1

رسول اکرم ﷺ نے امت کی تعلیم و تربیت کی خاطر روزمرہ کی بہت سی دعائیں، ذکر اذکار اور عبادات مقرر فرمائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ہفتہ وار قرآنی نصاب بھی مقرر فرمایا ہے۔ اس قرآنی نصاب کا زیادہ تر تعلق جمعے کے دن سے ہے۔ سرِ دست قرآنی سورتوں کے ہفتہ وار نصاب ہی کے بارے میں بات ہوگی۔

ہر ہفتے ایک دن ان سورتوں کو پڑھنا، سننا اور دہرانا بے شمار فائدوں، برکتوں اور حکمتوں کا باعث ہے۔ ہر سات دن میں ایک دن ایک ہی بات دہرانے سے اس کی اہمیت و افادیت میں بدرجہا اضافہ ہوجاتا ہے۔ غور و فکر کے نت نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس عمل سے دل میں یہ احساس بھی



جاگزیں ہوتا ہے کہ ہفتے بھر میں کم سے کم ایک دن اپنے ایمان کی تجدید و تازگی کا التزام بہت ضروری ہے۔ اس تناظر میں جمعۃ المبارک کا دن اور اس میں خطبہ مقرر فرمانے کی یہی حکمت اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات، ارشادات اور بیانات کم سے کم ایک ہفتہ بعد بھی سننے پڑھنے کو نہ ملیں تو اس محرومی سے دلوں میں سختی آجاتی ہے۔ دل نیکی کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ برائی کو برائی نہیں سمجھتا کیونکہ ایسا دل اندھا ہو جاتا ہے۔ اور اگر مسلسل غفلت برتی جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

اس ہفتہ وار نبوی نصاب کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا تعلق چاہے کسی بھی خطے اور رنگ و نسل سے ہو وہ ایک دن بہر حال اسی ایک نصاب کو اختیار کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی تعلیمی ادارے کی کئی برانچیں ہوں، ان سب میں ایک ہی نصاب رائج ہوتا ہے۔ پڑھنے اور پڑھانے والوں کو سہولت بھی رہتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ہر چند وہ اپنے آپ کو پنجابین، راوین اور ایچوسونین لکھتے ہیں تاہم وہ سمجھتے ہیں کہ ہم منظم ہیں اور اُس وقت اس خوشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب مختلف رنگ و نسل اور متعدد علاقائی نسبتوں، جداگانہ زبانوں اور مختلف عمروں کے لوگ ایک ہی نصاب پڑھ پڑھا رہے ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے عمدہ حافظے کے مالک اور بڑے فقیہ و دانا حضرات تھے۔ وہ تو اشاروں ہی میں بات سمجھ جاتے تھے مگر ایک ہی بات کو بار بار ان کے ذہن نشین کرانا ان سورتوں کے مضامین کی اہمیت دوچند کرتا ہے۔ جب عہد نبوت میں ان کے سامنے اس نصاب کا اس قدر اہتمام والتزام ہوتا تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں اور خصوصاً فی زمانہ اس کا خصوصی اہتمام ہونا کتنا ضروری ہے۔

امت کی اوسط عمر 60 سے 70 سال کے درمیان ہے۔ (جامع الترمذی، حدیث: 3550) اس میں سے 16، 17 سال بچپن اور لڑکپن کے نکال دیں تو کم وبیش 45 سے 55 سال بنتے ہیں۔ یوں قمری حساب سے شعور والی 50 سالہ زندگی میں جمعے کا دن کم وبیش 2535 مرتبہ آتا ہے۔ گویا نبوی نصاب کا یہ پیریڈ ایک مسلمان کی زندگی میں 12675 مرتبہ لگتا ہے۔ اس کا موازنہ اگر ہم اپنے مروجہ تعلیمی نظام سے کریں تو ایک مضمون جسے ایک بچہ ابتدائی مراحل سے PHD کرنے تک مسلسل پڑھتا ہے اس کے مکمل پیریڈز ان کے مقابلے میں ایک چوتھائی بھی نہیں بنتے۔ مگر اس نظام سے گزر کر وہ اپنے فن میں ماہر بن جاتا ہے اور ڈاکٹر کہلاتا ہے۔ اور یقیناً اس نبوی نصاب کے پیریڈز کا دورانیہ بھی ہمارے ہاں رائج عام پیریڈ سے زیادہ ہے۔ مگر ہم اس ہفتہ وار قرآنی نصاب کو اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ علم وشعور میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے مفاہیم ومطالب میں بھی اضافہ ہونا چاہیے، مزید نکات سامنے آنے چاہئیں اور اس کے اثرات ہماری صورت وسیرت اور گفتار وکردار میں نظر آنے چاہئیں۔ جبکہ کچھ ائمہ تو ان مسنون سورتوں کو پڑھتے ہی نہیں، کچھ تھوڑا بہت پڑھتے ہیں اور جو پڑھتے ہیں ان میں سے بھی کئی ان کے ترجمے سے بھی نابلد ہوتے ہیں..... مقتدی حضرات کا تو کہنا ہی کیا!!!

یہ نصاب لارڈ میکالے کا ترتیب دیا ہوا نہیں یا اسے تشکیل دینے والے کسی خاص نقطۂ نظر کے حامل نہیں، نہ یہ درسِ نظامی کے نام سے موسوم ہے، نہ یہ نصاب کیمرج یا اوکسفرڈ میں تیار ہوا ہے۔ یہ تو وہ نصاب ہے جسے پوری کائنات کی سب سے عظیم ہستی، اور پورے عالمِ انسانیت کے معلم ﷺ نے سب سے عظیم کتاب سے مقرر فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی سورتیں اور بہت سی آیات ہیں مگر انھی سورتوں کو خاص کرنے کی یقیناً وجوہ تو ہوں گی اور کئی پہلو ایسے بھی ہوں گے جو ان تمام سورتوں میں مشترک ہوں گے، یعنی کسی نہ کسی پہلو اور انداز سے ایک ہی مضمون کو ان سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

ہفتہ وار قرآنی نصاب کی اہمیت جاننے کے بعد اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ وہ نبوی نصاب ہے کیا؟

مقرر کردہ قرآنی نصاب

(1، 2) جمعے کے دن فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں 21 ویں پارے کی سورۂ الم السجدہ اور دوسری رکعت میں 29 ویں پارے کی سورۂ دہر۔ (دیکھیے:

صحيح البخاري، حديث: 891)

نوٹ: اس حدیث میں الفاظ ہیں: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الفَجْرِ يَوْمَ الجُمُعَةِ.....» ''نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے.....'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل غیر منقطع طور پر تسلسل سے جاری رہا ہے۔ ایک دو بار کی بات نہیں۔ راقم نے پوری کوشش کی کہ جمعے کے دن فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت دیکھوں مگر ان دو سورتوں کے علاوہ کوئی اور سورت نہیں ملی۔

(3) خطبۂ جمعہ میں سورۂ قٓ کی تلاوت: سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام ہشام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ قٓ رسول اللہ ﷺ کی زبانی یاد کی۔ آپ ﷺ ہر جمعے کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اس کی قراءت کیا کرتے تھے۔ (صحيح مسلم، حديث: 873)

(4، 5) جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت: ''نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ (کی نمازوں) میں سورۂ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور سورۂ ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی تلاوت کرتے تھے۔ اگر کبھی عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھے آجاتے تو پھر بھی آپ ﷺ انھی دونوں سورتوں کی تلاوت کرتے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 878)

نوٹ: سورۂ اعلیٰ کو نماز وتر میں بھی مقرر کیا گیا ہے۔ (مسند أحمد: 123/5) اسی طرح سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے جب عشاء کی لمبی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾، ﴿وَالضُّحٰى﴾، ﴿وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ کی قراءت کیوں نہیں کر لیتے؟ (صحيح البخاري، حديث: 6106، وصحيح مسلم، حديث: 465)

(6، 7) نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون کی تلاوت: ابن ابی رافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعے کے دن نماز پڑھائی تو (پہلی رکعت میں) سورۂ جمعہ کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھی۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں ان سے ملا اور عرض کی کہ آپ نے دو سورتیں نماز میں پڑھی ہیں، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں یہی دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ جمعہ کے دن (نماز جمعہ میں) انھیں پڑھا کرتے تھے۔ (صحيح مسلم، حديث: 877)

(8) جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الجُمُعَتَيْنِ» ''جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کی تو اس کے پڑھنے سے لے کر دو جمعوں تک کا دورانیہ روشن رہے گا۔'' (المستدرك للحاكم: 368/2)

نوٹ: اس حدیث میں «فِي يَوْمِ الجُمُعَةِ» ''جمعے کے دن'' کے الفاظ ہیں اور دن کا شرعی مفہوم ہے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کا دورانیہ۔ اس لیے کوشش تو یہی ہو کہ صبح ہوتے ہی پڑھ لی جائے کیونکہ بسا اوقات بعد میں موقع نہیں ملتا اور اگر رہ جائے تو مغرب سے پہلے پہلے پڑھ لی جائے۔

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب مغرب کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص اور اسی طرح عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے۔ (ملاحظه كيجيے: السلسلة الضعيفة: 595,559)

ہفتہ وار قرآنی نصاب کے مشترکہ مضامین

ذیل میں وہ مضامین بیان کیے جاتے ہیں جو ان مقرر کردہ تمام یا ان میں سے بعض سورتوں میں مشترکہ طور پر بیان ہوئے ہیں۔ یہ وہ مضامین ہیں جو مختلف اسالیب سے ان سورتوں میں دہرائے گئے ہیں۔ اس سے قرآن مجید کی فصاحت کا یہ پہلو بھی روشن ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو کیسے کیسے متنوع انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ مشترکہ مضامین کا جدول یہ ہے:

شمار	مشترکہ مضامین	① سورۂ سجدہ	② سورۂ دہر	③ سورۂ ق	④ سورہ اعلیٰ	⑤ سورہ غاشیہ	⑥ سورۂ جمعہ	⑦ سورۂ منافقون	⑧ سورۂ کہف
①	قرآن مجید کی اہمیت اور اس کا منجانب اللہ ہونا	﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یہ رب العالمین کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔'' (آیت:2)	﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾ ''بے شک ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تھوڑا تھوڑا اتارنا۔'' (آیت:23)	﴿وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ ''قرآن مجید کی قسم!'' (آیت:1)	﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ ''عنقریب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔'' (آیت:6)	﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ ''کیا آپ کے پاس چھا جانے والی (قیامت) کی خبر آگئی ہے۔'' (آیت:1) یہ خبر کا آنا ظاہر ہے اللہ کی طرف ہی سے ہوسکتا ہے۔	﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''وہ ان پر اس کی آیات پڑھتے ہیں۔'' (آیت:2) ''اس کی آیات'' اس لیے ہیں کہ اس نے اتاری ہیں۔	﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کے ذکر سے۔'' (آیت:9) قرآن مجید اللہ کا ذکر ہے۔	﴿اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ ''اپنے بندے پر کتاب اتاری۔'' (آیت:1)
②	نصیحت، یاددہانی، ذکرالٰہی اور اس سے روگردانی	﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا﴾ ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے اعراض کرلیا۔'' (آیت:22)	﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ ''یہ ایک نصیحت ہے، لہٰذا جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے۔'' (آیت:29)	﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ.....﴾ ''یقیناً اس میں البتہ اس کے لیے نصیحت ہے جس کا دل (زندہ) ہو.....'' (آیت:37)	﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى o سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾ ''پھر آپ نصیحت کریں اگر نصیحت فائدہ دے۔ جو ڈرتا ہے وہ ضرور نصیحت حاصل کرے گا۔'' (آیات: 10,9)	﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ ''پھر آپ نصیحت کریں، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔'' (آیت: 21)	﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ ''چنانچہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔'' (آیت: 10)	﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''تمھارا مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرے۔'' (آیت:9)	﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی مگر اس نے ان سے اعراض کیا۔'' (آیت:57)
	تخلیق کائنات اور اس میں غوروفکر	﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ.....﴾ ''اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور		﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے آسمان و	﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ ''جس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا۔'' (آیت:2)	﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ.....﴾ ''کیا پھر وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بنایا	﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ﴾ ''آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اس اللہ	﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔'' (آیت:7)	﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور میں نے انھیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں گواہ نہیں بنایا

③		جوان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں بنائے ....." (آیت:4)		زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں تھکاوٹ تک نہیں ہوئی۔" (آیت:38)		گیا....." (آیات: 17-20)	کی تسبیح کرتا ہے جو بادشاہ ہے....." (آیت:1)	تھا۔" (آیت:51)
④	تخلیقِ انسان	﴿وَبَدَ اَخلَقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ.....﴾ "اور اس نے انسان کی تخلیق کا آغاز پانی ملی مٹی سے کیا....." (آیات 7-9)	﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ "تحقیق انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جب یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہے۔" (آیت:2,1)	﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے۔" (آیت16)	سورہ اعلیٰ کی سابقہ آیت تخلیق انسان کو بھی شامل ہے	جب انسان اس بات پر غور کرے گا کہ اونٹ کیسے پیدا ہوا، آسمان کیسے بلند ہوا، زمین کیسے بچھائی گئی تو اسے اپنی تخلیق کا بھی خیال آئے گا۔		﴿اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ.....﴾ "کیا تو اس کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے انسان کو) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے۔" (آیت:37)
⑤	دنیا کی حقیقت، حیثیت اور بے ثباتی	﴿کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِهِمْ﴾ "ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتیں ہلاک کیں یہ (اب) ان کی رہائش	﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا﴾ "بلاشبہ یہ پسند کرتے ہیں جلدی والی (دنیا) کو اور اپنے پیچھے ایک	﴿وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ "ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کردیں وہ پکڑنے میں ان سے سخت	﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ "بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی	﴿اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَهُمْ﴾ "بے شک ہماری طرف ہی ان کی واپسی ہے۔" (آیت:25)	﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ "کہہ دیں کہ وہ موت جس سے تم	﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنَاکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ﴾ "اور جو ہم	﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ .....﴾ "ان سے

		گاہوں میں چلتے پھرتے ہیں۔'' (آیت:26)	بوجھل دن کو چھوڑ دیتے ہیں۔'' (آیت:27)	تھیں۔'' (آیت:36)	ہے۔'' (آیت:17,16)		بھاگ رہے ہو وہ تم کو پہنچ کر رہے گی، پھر تم غیب اور حاضر جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (آیت:8)	نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ لے تو وہ کہے کہ اے میرے رب! مجھے تھوڑی سی مدت اور کیوں نہ دی۔'' (آیت:10)	دنیا کی زندگی کی مثال بیان کریں جیسے پانی، ہم نے اسے آسمان سے اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل جل گئی اور وہ (روئیدگی) ریزہ ریزہ ہوگئی جسے ہوائیں اڑالے جاتی ہیں۔'' (آیت:46,45)
⑥	آخرت (جنت، جہنم)	﴿وَ لَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُ وْسِهِمْ﴾ ''اور اگر آپ دیکھیں جب مجرم لوگ اپنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے.....'' (آیات:12-21)	﴿اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا وَّاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا.....﴾ ''بے شک ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ.....۔'' (آیات: 22-4)	﴿یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ.....﴾ ''اس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ مزید ہے؟ ؟'' (آیات: 35-30)	﴿وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی o الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی.....﴾ ''اور بدبخت اس (نصیحت) سے کنارہ کش رہتا ہے وہ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا.....'' (آیات:11-12)	﴿هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ o وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ﴾ ''کیا آپ کے پاس چھا جانے والی (قیامت) کی خبر آچکی ہے۔ اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔'' (آیات 1-16-23-26)	﴿قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ﴾ ''کہہ دیجیے: جو اللہ کے ہاں ہے وہ اس کھیل تماشے اور تجارت سے بہت بہتر ہے۔'' (آیت:11)	﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا﴾ ''اور اللہ کسی جان کو ہرگز مہلت نہیں دے گا جب اس کا وقت مقررہ آگیا۔'' (آیت: 11)	﴿لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا﴾ ''تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقیناً قیامت میں شک کی ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں۔'' (آیت:21)

(جاری ہے)

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

ابوانس محمد سیف اللہ لغاری



مریضوں کے نام

اللہ تعالیٰ بیماریوں کی وجہ سے مریضوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے

تمام حالات اور ادوار میں جو تبدیلیاں آتی ہیں، وہ بے مقصد اور بے معنی نہیں، ایک آدمی آج تندرست ہے، اگر اللہ نہ کرے وہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ آسائش و فراوانی بھی ایک آزمائشی مقصد کے تحت ہوتی ہے اور تنگدستی و تنگ حالی بھی بے سبب نہیں آتی۔ نہ خوشی بلاوجہ ملتی ہے، نہ غم بے ضرورت آتے ہیں۔ انھی حالات کو زندگی کہتے ہیں اور انھی کے خاتمے کو موت۔ ان کا مقصد قرآن پاک کی زبانی سنیے: ''بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے زندگی اور موت کو پیدا کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون سب سے اچھے عمل کرتا ہے۔'' (الملك 2,1:67)

بنیادی طور پر یہ مضمون ان خوش نصیب مریضوں کے نام ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بیماری میں مبتلا کر کے اپنا محبوب اور مقرب بنا لیا ہے، اس مضمون میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بیمار افراد اپنی زندگی کو کیسے خوشگوار، پرسکون اور احساس کمتری سے پاک بنا سکتے ہیں۔

آزمائش محبت کی علامت ہے

ایک مسلمان آدمی جب کسی بیماری اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اسے بیماری میں مبتلا کر کے آزمائش کی بھٹی سے اس لیے گزارنا چاہتا ہے کہ اگر اس کی کچھ خطائیں ہیں تو ان کی سزا وہ اسی دنیا میں کاٹ جائے اور روز قیامت پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدِهِ خَيْراً عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا» ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دنیا ہی میں (اس کے گناہوں کی) سزا دے دیتا ہے۔'' (جامع الترمذي: 2396) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْماً ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخِطُ» ''بڑی جزا بڑی آزمائش کے ساتھ ہی ملتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے۔ جو آزمائش میں راضی رہے اس کے لیے (اللہ کی طرف سے) رضامندی ہوتی ہے اور جو آزمائش میں راضی نہ رہا تو اس پر اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے۔'' (جامع الترمذي: 2396)

انبیائے کرام علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کے انسانوں میں سے محبوب ترین بندے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگیوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگیاں آزمائش اور ابتلا میں گزریں۔ خود ہمارے پیارے نبی ﷺ جو امام الانبیاء، انبیاء



میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں اور انھی کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کا اسوۂ مبارک ملاحظہ کیجیے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا: آپ ﷺ شدید بخار میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے فرط محبت سے کہا: ''اللہ کے رسول! آپ کو تو شدید بخار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! مجھے سخت بخار ہے۔ مجھے اتنا زیادہ بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5648)

اس فرمان سے بھی بڑھ کر ایک اور واضح حدیث مبارکہ پڑھیے: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! سب سے زیادہ آزمائشیں کن لوگوں پر آتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاءُهُ وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ» ''سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہیں۔ ان کے بعد درجہ بدرجہ نیک لوگوں کی ہوتی ہے۔ آدمی اپنے دین (ایمان) کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر دین مضبوط ہو تو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اور اگر دین میں کمزوری ہو تو جانچ پرکھ بھی آسان ہوتی ہے اور بندے کی آزمائش ہوتی رہتی ہے حتی کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ گناہوں کی آلودگی سے پاک صاف ہو چکا ہوتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 2398) اس لیے آزمائش کو ایک نعمت اور شدت مرض کو خوشخبری جانیے۔ یہ حکمت اس کے لیے ہے جو واقعی گہری نظر سے صورت حال پر غور کرے۔

آزمائش وابتلا جنت کا راستہ ہے

جس مرض یا مصیبت کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، وہ دراصل بندوں کے صبر کا امتحان اور ان کے ایمان کی جانچ پرکھ ہوتی ہے۔ ان میں کامیاب ہونے والوں کے لیے ایسی نعمتیں ہیں جن سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش ضرور کریں گے۔ دشمنی کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنھیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو فوراً کہتے ہیں: ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (البقرة2:157) سبحان اللہ! بھلا اللہ کی رحمتوں، نوازشوں اور ہدایت سے بھی بڑھ کر کوئی بڑی نعمت ہو سکتی ہے!!

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب دنیا میں مصیبتیں جھیلنے والوں کو اجر عظیم سے نوازا جائے گا تو ایسے لوگ جن کی زندگی دنیا میں پرمسرت گزری ہوگی، خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے (تاکہ وہ بھی اسی طرح اجر عظیم سے نوازے جاتے۔) (جامع الترمذي: 2402)

مزید برآں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی مسلمان کو کوئی بیماری یا مصیبت لاحق ہوتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔'' (صحيح مسلم: 2571)

ایک اور فرمان نبوی ہے: ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے۔ آپ میری صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر آپ صبر کریں تو آپ کو جنت ملے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت سے نوازے گا۔'' اس سمجھدار خاتون نے عرض کی: ''تو میں صبر کروں گی۔ تاہم آپ یہ دعا فرما دیجیے کہ دورے کے وقت میرا ستر نہ کھلے۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرما دی۔ (صحيح البخاري: 5652)

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کے لیے ایک بلند مقام منتخب فرما رکھا ہوتا ہے جسے وہ اپنے عمل کی بنیاد پر حاصل نہیں کر سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے کسی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور اسے صبر کی توفیق بھی دیتا ہے، یوں وہ آزمائش میں سرخرو ہو کر وہ عظیم مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ تو کیا ہمیں اس پر غمگین ہونا چاہیے؟

مرض صدقہ جاریہ ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور احسانات کا شمار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے



بھلائی کا کوئی ایک دروازہ بند کرتا ہے تو کئی اور دروازے کھول بھی دیتا ہے۔ مریض کو جو تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے اس کے عوض اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں تو لکھی ہی جاتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے حق میں نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور مقام ہے جو صرف مریض اور مسافر ہی کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کی نیکیاں اور عبادت لکھنے کے لیے اس کے صحت اور تندرستی والے زمانے کو دیکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک حدیث ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ الْأَجْرُ مِثْلَ مَاكَانَ يَعْمَلُ صَحِيحًا مُقِيمًا» ''جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی اجر لکھتے ہیں جو وہ حالت صحت اور حالت حضر میں عبادت کر کے حاصل کیا کرتا تھا۔'' (صحيح البخاري: 2996) اللہ تعالیٰ کا اس سے بڑا فضل اور کیا ہوسکتا ہے کہ عمل نہ بھی کریں تب بھی اجر برابر ملتا رہے۔

ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے

شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ مبارک رہا ہے کہ تنگی کے بعد آسانی ضرور عطا فرماتا ہے۔ مرض چاہے جتنا بھی طویل ہو کبھی نہ کبھی تو اسے اللہ کے حکم سے ختم ہو ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے: ''بلاشبہ تنگی کے بعد آسانی ضرور آتی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے۔'' (الإنشراح 94:5,6)

امام وہب بن منبہ فرماتے ہیں: کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ آزمائش کو نعمت اور صحت و فراوانی کو مصیبت تصور نہ کرے۔'' (موسوعة فقه الابتلاء: 250/4) لہٰذا بیمار حضرات یہ ذہن نشین کرلیں کہ اب جو پریشانی ہے اللہ کے کرم سے ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ وہ باقی نہیں رہے گی، بقول شاعر ؎

ایسی بھی کوئی شب ہے کہ جس کی سحر نہیں؟

مرض کو غنیمت جانیے!

اگر مریض اپنے مرض کے دنیاوی اور اُخروی فوائد و حسنات کا صحیح ادراک کرے تو وہ اپنی اسی حالت کے برقرار رہنے کی تمنا کرے گا۔ بیماری کفارۂ سیّات، بلندی درجات اور اجر عظیم کا باعث تو بنتی ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ مریض کے لیے ایسی فراغت کے لمحات ہوتے ہیں جو تندرستی کی حالت میں میسر نہیں آتے، چنانچہ مریض پابند بستر ہونے کی صورت میں اپنا وقت ایسے اعمال کی بجا آوری میں گزار سکتا ہے جو اسے اللہ کے مزید قریب کر سکتے ہیں، مثلاً: قرآن پاک کی تلاوت، جہاں تک ممکن ہو علم کا حصول، زیادہ سے زیادہ نوافل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ۔ ہمیں خوب جان لینا چاہیے کہ ہر مسلمان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ خوشی اور تنگی، صحت اور بیماری ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اتباع کرے۔

صحت کی قدر و قیمت کا احساس

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسے بنائی ہے کہ اسے کسی نعمت کی قدر و قیمت کا احساس اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ حد سے زیادہ غافل رہتے ہیں اور ان کی اہمیت کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہ ان سے کماحقہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ دو نعمتیں صحت و فراغت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغَةُ» ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن (کی قدر و قیمت) سے بہت سے لوگ غافل رہتے ہیں اور وہ ہیں صحت و فراغت۔'' (صحيح البخاري: 6412) گویا بیماری ہمیں اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ ہم اپنی تندرستی کی قدر کریں اور تندرستی کی حالت میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کریں۔

ہم اپنی بیماری کی حالت میں اپنے صحت کے ایام کو تصور میں لائیں اور غور کریں کہ کیا ہم جس نعمت سے محروم ہوئے ہیں اس کا کبھی شکر بھی ادا کرتے تھے؟ کیا ہم تندرستی کا استعمال نعمتیں عطا کرنے والے رب کی مرضی کے مطابق کرتے تھے؟ یہ تمام باتیں تصور میں لا کر ہم سچی توبہ کریں۔ کیا عجب ہماری توبہ ہی سے ہماری تکلیف رفع ہو جائے اور ہم دوبارہ صحت و عافیت سے نوازے جائیں۔ مشہور قول ہے: «مَا نَزَلَ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَا رُفِعَ إِلَّا بِتَوْبَةٍ» ''جو بھی مصیبت آتی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور وہ صرف توبہ ہی سے دور ہو سکتی ہے۔'' (شرح الترمذي للشنقيطي: 23/6)



دینی علوم کا حصول
دینی طلبہ کے لیے ضروری ہدایات

حافظ محمد حق نواز

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔ جس طرح علم کی فضیلت ہے بعینہٖ اہل علم کی بھی فضیلت ہے۔ شریعت میں عمل کی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن اس کے لیے بھی پہلے علم ضروری ہے۔

دینی علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض عین، یعنی خالق کی بندگی و عبادت بجالانے کا طریقہ، فرائض دین کا اجمالی علم، عقیدۂ توحید و رسالت و ختم نبوت کا یقین، نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ کا علم، حلال و حرام کی تمیز، حقوق و فرائض وغیرہ کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔'' (صحیح الجامع: 3913) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے دین کی کسی بات میں شک ہو تو اس بارے میں تحقیق کی غرض سے اہل علم سے سوال کرنا اس پر فرض ہے تاکہ شک کو دور کر کے یقینی علم حاصل کیا جاسکے۔

اسی طرح ایک علم فرض کفایہ ہوتا ہے، یعنی تمام دینی علوم میں مہارت تامہ کا حصول، ان کی ترویج و اشاعت و فتوی وغیرہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور مومنوں کے لیے ضروری نہیں کہ (جہاد و علم کے لیے) سب ہی نکل کھڑے ہوں، تو ہر فرقے، گروہ، جماعت، خاندان میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں نکلتا تاکہ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کرسکیں۔'' (التوبۃ 122:9)

حصول علم کے لیے سفر

ہمارے معاشرے میں جدت پسندی اور غیروں کی نقالی کا اس قدر عروج ہے کہ دنیاوی علوم و فنون کے لیے تو ہر طرف دور دراز کے سفری اخراجات و صعوبتیں برداشت کر کے پہنچنے کی کوشش ہوتی ہے لیکن دینی علوم کے لیے وقت دینے کو کوئی تیار ہوتا ہے نہ ہی کوئی اس راستے میں سرمایہ خرچ کرنا پسند کرتا ہے۔ جو لوگ اس راستے میں نکل پڑتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ پسندیدہ بندے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرلیتا ہے اسے دین کا فہم (علم) عطا کردیتا ہے۔'' (صحیح البخاري:71)

لہٰذا حصول علم کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلنے والے طلبہ نہایت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں۔ انھیں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے خیر کی توقع رکھنی چاہیے۔ اور یاد رکھیں! خوشی ہو یا غم، مصائب و آلام کے گھیرے میں آجائے یا آسانیوں اور آسائشوں و نعمتوں والی زندگی میسر آجائے ہر حال میں مومن کے لیے خیر ہی خیر ہوتی ہے کیونکہ وہ آزمائشوں میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی و تندرستی میں شکر کرتا ہے، چنانچہ وہ ہر حال میں اجر سے نوازا جاتا ہے۔ اس لیے حصول علم کے راستے میں آنے والی مشکلات اور پریشانیاں باعث اجر ہوتی ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''علم کی تلاش میں نکلنے

والے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان بنادیتا ہے..... علمی مجلس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت الٰہی ان کا احاطہ کرلیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں میں کرتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 2699) اسی بنا پر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے محض ایک حدیث کے سماع کے لیے یا علو سند کے لیے مدینہ سے مصر اور دور دراز کے سفر کے دوران بہت سی مشکلات برداشت کیں۔ (السلسلة الصحيحة: 340/5، وفتح الباري: 175/1)

دینی طلبہ کے حقوق و فرائض

ہم سب جانتے ہیں کہ مہنگائی کے اس دور میں علمائے کرام، ائمہ مساجد، خطباء و مدرسین مدارس کو بہت ہی کم تنخواہوں پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ دنیادار طبقہ ضرور سوچتا ہوگا کہ اس قدر کم آمدنی پر یہ لوگ اہل وعیال کے اخراجات کیسے پورے کرتے ہوں گے؟ اصل میں بات ہے اپنے خالق، مالک اور رازق پر پختہ یقین کی۔ رازق کے رزاق ہونے پر جتنا پختہ یقین ہوگا، اس کے دین کی اشاعت کے راستے میں آنے والی مشکلات اتنی ہی آسان ہوجائیں گی۔ تھوڑی آمدنی میں برکت زیادہ ہوگی۔ اخراجات کم ہوجائیں گے۔ انسان میں صبر اور شکر کے ساتھ قناعت والی زندگی گزارنے کی ہمت پیدا ہوجائے گی۔ یہی وہ امور ہیں کہ جن کی بنا پر علماء، خطباء اور مدرسین وغیرہ تھوڑی آمدنی پر بھی گزارا کرلیتے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسلامی معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ علمائے کرام کے حقوق کا خیال رکھیں۔ مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کی ضروریات زندگی کا خیال رکھیں، ان کو پردیس میں اجنبیت کا احساس پیدا نہ ہونے دیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اکرام و اعزاز میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ان کی رضا کے لیے اپنے پر رکھ دیتے ہیں (حرکت روک دیتے ہیں) تو پھر ایسے برگزیدہ لوگوں کی تکریم میں اسلامی معاشرے کے کسی بھی فرد کو تذبذب کا شکار ہوکر ان کی معاشی و اخلاقی نصرت سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے۔

دینی طلباء کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ عوام الناس کے اعتماد کو بحال رکھیں، کسی بھی وجہ سے ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ خلوص نیت کے ساتھ محض رضائے الٰہی کے لیے علم حاصل کرنے اور اسے آگے پہنچانے کی ذمہ داری ادا کریں۔ دنیا کے پیچھے لگ کر دینی تعلیم نہ چھوڑیں کیونکہ دین داری کو برقرار رکھنے سے دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو ہوسکتے ہیں لیکن محض دنیا کے پیچھے پڑ گئے تو آخرت بھی جائے گی اور دنیا سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ ''اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا اس کے لیے گزران تنگ ہوگا۔'' (طٰہٰ 124:20) لہٰذا خلوص نیت کے ساتھ دینی علوم کے حصول میں جُت جائیں۔ آپ کی معیشت کا انتظام اللہ تعالیٰ خود فرمادے گا۔

دینی طلبہ کی یہ ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو امانت و دیانت اور صدق و سچائی کے ساتھ دیگر لوگوں تک پہنچائیں۔ اس کے لیے درس و تدریس، امامت و خطابت، تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ میں سے کوئی بھی شعبہ اختیار کرسکتے ہیں۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے حفظ کیا اور یاد رکھا تاکہ اسے پہنچائے، بہت سے علم وفقہ کے حامل اپنے سے بڑھ کر زیادہ دانا اور فقیہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔'' (سنن أبي داود: 3660)

دینی طلبہ کے لیے ضروری ہدایات

دینی علوم کی قدر اور تکریم کرتے ہوئے دینی طلبہ کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پَر رکھ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں میں کرتا ہے۔ انھیں اپنے پسندیدہ اور محبوب





بندوں میں شمار کرتا ہے تو اس قدر عزت افزائی کی لاج رکھتے ہوئے دینی طلبہ کو بھی اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کرنے چاہئیں جن کی بنا پر ان میں مزید نکھار پیدا ہوسکتا ہے۔ علم ایک زیور ہے اور زیور کو جب پالش کیا جاتا ہے تو اس کی خوبصورتی اور نکھار بڑھ جاتا ہے، لہٰذا دینی طلبہ کو چاہیے کہ دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل ہدایات کی روشنی میں اپنے اندر مزید اوصاف حمیدہ پیدا کرکے خوب سے خوب تر بننے کی کوشش کریں:

① کسی بھی کام سے قبل اس کے بارے میں مکمل آگاہی ضرور حاصل کریں۔ اس کے مثبت و منفی پہلوؤں کا بغور جائزہ لیں۔ مفید پہلوؤں کو اپنالیں اور نقصان کا باعث بننے والے امور سے اجتناب کریں۔

② علم کو عبادت سمجھ کر حاصل کریں۔

③ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو تمام محبتوں پر غالب رکھیں۔

④ صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین کے موقف و راہنمائی کو مقدم رکھیں۔

⑤ دل میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھیں۔

⑥ اپنے ظاہر و باطن پر امید اور خوف کی کیفیت طاری کرکے اللہ کی طرف بھرپور توجہ رکھا کریں۔

⑦ عجز و انکسار کا عملی مظاہرہ کریں، غرور اور تکبر سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

⑧ عفت و پاکدامنی، حلم و بردباری اور تحمل مزاجی، وقار، متانت و سنجیدگی جیسے اوصاف حمیدہ کو اوڑھنا بچھونا بنالیں۔

⑨ زہد و قناعت والی سادہ، صابرہ اور شاکرہ زندگی گزاریں۔

⑩ حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کریں۔

⑪ خندہ پیشانی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ہر مسلمان کو سلام کہنے میں پہل کریں۔

⑫ بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اظہار حق کے وقت شجاعت و بہادری کا خوب مظاہرہ کریں۔ اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ کلمۂ حق کو علی الاعلان بیان کریں۔

⑬ مرد و زن کے اختلاط والے مقامات سے دور رہیں۔

⑭ برے اخلاق، لغویات، گالم گلوچ، زبان درازی، جھوٹ، دھوکا اور فراڈ وغیرہ سے گریز کریں۔

⑮ معاملات میں نرم پہلو اختیار کریں کیونکہ ''اللہ تعالیٰ نرم ہے نرمی کو پسند کرتا ہے نرمی اختیار کرنے کی بنا پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔'' (صحیح مسلم: 2593)

⑯ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کریں۔

⑰ اپنے حقوق و فرائض سے غافل نہ ہوں۔

⑱ والدین، اساتذہ اور بڑوں کا احترام ملحوظ خاطر رکھیں۔

⑲ جو پڑھیں اس پر عمل کریں۔ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔

⑳ ماہر اور حاذق استاد سے علم حاصل کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تھوڑے وقت میں زیادہ علم حاصل ہوسکتا ہے اور غیر ضروری و غیر متعلقہ مواد میں الجھنے سے بچا جاسکتا ہے اور استاد کے ذاتی تجربے اور مطالعے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

㉑ سبق سے پہلے مطالعہ ضرور کریں۔ سب سے پہلے ہر فن کے اصولوں پر مشتمل بنیادی کتابوں کو درجہ بدرجہ پڑھیں اور پھر فروع کی طرف بڑھیں۔

㉒ حصول علم میں خلوص نیت اور رضائے الٰہی کو ضرور ملحوظ رکھیں۔

㉓ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام بعینہٖ امانت و دیانت کے ساتھ آگے پہنچائیں۔

㉔ اگر کسی مسئلے کے بارے میں آپ کو علم نہ ہو تو بلا جھجک کہہ دیں ''مجھے علم نہیں، میں نہیں جانتا۔'' کیونکہ یہ نصف علم ہے اور علم نہ ہونے کے باوجود یہ کہنا کہ ''میرا خیال ہے، کہا جاتا ہے۔'' وغیرہ سے جواب دینا نصف جہالت ہے۔

㉕ اپنی زندگی کتاب و سنت کے مطابق گزاریں۔

㉖ مختلف عناوین کے تحت علمی مباحثے اور مذاکرے کا انعقاد کریں اس سے آپ اپنے علم میں پختگی پیدا کرسکتے ہیں۔

㉗ استاد کا لیکچر بغور سننے اور سمجھنے کے بعد اگر وضاحت طلب امور کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو اپنے استاد کے سامنے اشکالات اور سوالات کو واضح اور احسن انداز میں پیش کریں۔

㉘ لیکچر کے دوران مخصوص اور اہم و بنیادی باتوں کو قلمبند کرتے جائیں۔

㉙ اپنی زندگی کو بامقصد بنائیں اور کوئی لمحہ ضائع نہ کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دین کا فہم عطا فرماتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

① میزان میں بھاری

فرمان نبوی ﷺ ہے:«بَخٍ بَخٍ لِخَمْسٍ مَّا أَثْقَلَهُنَّ فِي الْمِيزَانِ» ''واہ بھئی واہ!! پانچ چیزیں میزان میں کس قدر بھاری ہیں۔'' ایک صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: «لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰه، وَاللّٰهُ اَكْبَر، وَسُبْحَانَ اللّٰه، وَالْحَمْدُلِلّٰه، وَالْوَلَدُالصَّالِحُ يُتَوَفّٰى فَيَحْتَسِبُهُ وَالِدُهُ» ''① لاالٰہ الااللہ ② اللہ اکبر ③ سبحان اللہ ④ الحمدللہ ⑤ اور نیک اولاد جو فوت ہوجائے اور اس کا والد اسے ذخیرہ آخرت سمجھے۔'' (مسند أحمد: 366/5)

② اللہ روزِ قیامت اسے ضرور راضی کرے گا

سیدنا ابوسلام کہتے ہیں کہ ہم حمص کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے ایک صاحب گزرے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا رہا ہے۔ ابوسلام کہتے ہیں: میں اٹھا اور ان سے سوال کیا کہ کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو مگر وہ حدیث لوگوں میں عام نہ ہو وہ صرف آپ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان ہو۔ خادم رسول ﷺ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے: «مَامِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَّقُولُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حِينَ يُمْسِي أَوْيُصْبِحُ: رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''جو بھی مسلمان شام یا صبح کے وقت یہ کلمات ادا کرے:«رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا» ''میں اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوں۔'' «وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا» ''اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔'' «وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا» ''اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔'' تو اللہ پر حق ہے کہ وہ روزِ قیامت ایسے شخص کو راضی کردے۔'' (مسند أحمد: 367/5)

③ ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اچھا کیا ہے

نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو ایک شخص (دوسری کوئی) نماز پڑھنے کے لیے فوراً کھڑا ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا تو اس سے کہا: بیٹھ جاؤ! اہل کتاب ہلاک ہوئے کہ ان کے ہاں (ایک نماز کا دوسری) نماز کے درمیان فاصلہ نہیں تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:«أَحْسَنَ ابنُ الْخَطَّابِ» ''ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اچھا کیا ہے۔'' (مسند أحمد: 367/5، وسنن أبي داود:1007)

④ پہلوں جیسا اجر لینے والے

نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنْ أُمَّتِي قَوْمًا يُعْطَوْنَ مِثْلَ أُجُورِ أَوَّلِهِمْ، يُنْكِرُونَ الْمُنْكَرَ» ''یقیناً میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جنھیں پہلے لوگوں جیسا اجر وثواب ملے گا (ان کا کام یہ ہوگا کہ) وہ برائی کو برائی سمجھ کر اس سے روکتے ہوں گے۔'' (مسند أحمد: 375/5)



اعداد: حافظ شبیر صدیق

آزادی کی نعمت اور اس کے تقاضے

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ آج کے دن کی ہمارے لیے اہمیت یہ ہے کہ آج کے دن ہمیں آزادی کی نعمت حاصل ہوئی۔ اللہ کے فضل وکرم سے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف مبعوث فرمایا دو مقاصد کے تحت۔ ایک مقصد بیانِ توحید ہر نبی کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے۔ اور دوسرا مقصد بنی اسرائیل کی آزادی۔ فرعون نے برے طریقے سے بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرکے کہا تھا: ﴿عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَائِيلَ﴾ ''تونے بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا ہے۔'' (الشعرآء 22:26) غلامی کی اس دلدل سے اپنی قوم کو نکالنا یہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے تھا۔ اور جو بالآخر حاصل ہوا۔ فرعون اور آل فرعون غرق ہوئے۔ جو شخص بھی طاقت کے نشے میں دھت ہوتا ہے سنت الٰہی ہے وہ اپنے ہیبت ناک انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ بالآخر فرعون بھی اپنے انجام کو پہنچا اور غرق ہوا۔ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے آزادی نصیب ہوگئی۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے، وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ وہ محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ روزہ کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ «وَهُوَ يَومٌ نَجَّى اللّٰهُ فِيهِ مُوسٰى وَأَغْرَقَ آلَ فِرْعَونَ» آج کے دن اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی، آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ آج کے دن غلامی کی زنجیریں ٹوٹی تھیں۔ یہ دن ہماری آزادی کا دن ہے۔ اسی دن فرعون اور فرعون کی آل غرق ہوئی۔ (صحيح البخاري: 3397) اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ یہودیوں کا فعل ہے۔ «أَبْغَضُ خَلْقِ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ» اس زمین میں سب سے زیادہ مبغوض، نفرت کے قابل، حقیر قوم یہودی ہیں۔ ان کی سوچ کا اندازہ کیجیے کہ اپنی آزادی

کے دن وہ روزہ رکھتے ہیں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مُوْسٰی أَخُونَا» ''موسیٰ تو ہمارا بھائی ہے۔'' «نَحْنُ أَحَقُّ بِمُوسٰی» ''ہم زیادہ حق رکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا، ہمارا بھائی ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 1734) بھائی ہونے کا معنیٰ کیا ہے؟ ایک اور حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْأَنْبِيَآءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ» ''انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔'' (صحيح مسلم: 2365) سارے انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔«دِينُهُم وَاحِد» ان کا دین ایک ہی ہے۔ علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو مائیں مختلف ہوں۔ بھائیوں کی تین قسمیں ہیں: حقیقی بھائی جن کے ماں اور باپ ایک ہوں۔ علاتی بھائی جن کا باپ ایک ہو مائیں مختلف ہوں۔ اور اخیافی بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں۔ جیسے ایک عورت شادی کرلے پھر بیوہ ہوجائے اور کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور ہر شوہر سے اولاد ہو۔ یہ باپ مختلف ہیں لیکن ماں ایک ہے۔ یہ اخیافی بھائی کہلاتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کو علاتی بھائی قرار دیا۔ جن کا اصل ایک ہے، باپ ایک ہے۔ اور یہاں اصل سے مراد توحید ہے۔ سارے انبیاء کا عقیدۂ توحید ایک ہے۔ تو ان کی بعثت کا مقصد بھی توحید کو بیان کرنا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے۔ اس ایک دعوت کے ساتھ، ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کا انکار۔(النحل 16: 36) ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ان کی طرف وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میری ہی عبادت کرو۔(الأنبیآء 21: 25) اور میری ہی عبادت کی دعوت دو۔ اپنی قوموں کو، ملتوں کو میری عبادت کی طرف بلاؤ اور میری توحید کی طرف بلاؤ۔ یہ سارے انبیاء کا اصل ہے۔ اس لحاظ سے انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: موسیٰ ہمارا بھائی ہے باعتبار عقیدے کے، باعتبار منہج کے۔ قوم یہود تو اپنے عقیدے سے بغاوت کرچکی ہے۔ انحراف اور الحاد کا راستہ اختیار کرچکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل یہ بددعا کی تھی: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُو قُبُورَ أَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ» اللہ رب العزت یہودیوں پر، عیسائیوں پر لعنتیں برسائے کہ جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں پر عمارتیں بنالیں، قبے بنالیے۔ مسجدیں بنالیں۔ (صحيح البخاري: 1390) وہ وہاں سجدہ اللہ کو کرتے ہیں، عبادت اللہ کی کرتے ہیں لیکن قبروں پر قبے بنانا اور عمارتیں تعمیر کرنا یہ بھی شرک ہے اور الحاد ہے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی بددعا فرمائی۔ پیغمبر علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» تم لوگ سابقہ قوموں کی ہوبہو پیروی کروگے۔ خیر و شر میں انھوں نے جس راستے کا انتخاب کیا تم بھی کروگے۔ جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے بالکل تابع ہوتا ہے رنگ میں، ڈیزائن میں، سائز میں، کچھ فرق نہیں ہوتا اسی طرح تم بھی یہود و نصاریٰ کے مشابہ بن جاؤ گے۔ اور کوئی فرق نہیں ہوگا۔ «حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ» حتی کہ اگر کوئی شخص ان میں سے سانڈے کے بل میں داخل ہوا ہو جو ایک جانور ہے، تو تم بھی داخل ہوگے۔ (صحيح البخاري: 7320) حتی کہ اگر کسی یہودی یا عیسائی نے اپنی والدہ سے نکاح کرلیا ہو تو تم بھی کروگے۔(جامع الترمذي: 2641) اس قدر مشابہت ہوگی۔ تو یہود و نصاریٰ کا ایک فعل نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، قبے تعمیر کرنا، عمارتیں بنانا۔ تو آج یہاں ان کی ترجمانی کون کررہا ہے؟ ان کا تشبہ کس نے اختیار کیا ہوا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان بالکل حق ہے کہ تم ان کی ہوبہو پیروی کروگے۔ اس کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔

یہ ایک قوم کی آزادی ہے۔ اس کے حصول کے لیے اللہ رب العزت نے باقاعدہ اپنے پیغمبر کو بھیجا اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور قائم رہا۔ گویا آزادی ایک نعمت ہے جو اللہ کے فضل سے ہمیں حاصل ہوئی۔ اور ہمارا ملک اس لحاظ سے متمیز ہے اور ممتاز ہے کہ اس کی آزادی میں ایک نظریہ شامل ہے اسلام، توحید اور لا الہ الا اللہ کا۔ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کی اساس میں توحید ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آزادی کے فوراً بعد ہی سے کوئی ایسی قیادت حاصل نہیں ہوئی جو قیادت کا حق ادا کرسکے۔ اس آیت کریمہ کی ترجمانی

کرسکے۔ ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ''اپنے بندوں کو جب ہم زمین پر حکومت دیتے ہیں تو وہ نمازوں کا نظام قائم کرتے ہیں۔ زکاۃ کا نظام قائم کرتے ہیں۔ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔ برائیوں کو مٹاتے ہیں۔'' (الحج 22:41) یہ چار بنیادی عناصر ہیں کسی بھی حکومت کی تشکیل کے لیے۔ ایسی کوئی قیادت میسر نہ آسکی جو تاسیس مملکت کے ان بنیادی عناصر کو پورا کرے۔ بلکہ پورا کرنا تو دور کی بات ہے یہاں تو ان عناصر کا فہم بھی موجود نہیں ہے۔ اور یہ ایک المیہ ہے بہت بڑا کہ جو ایک نظریہ تھا اس مملکت کی تاسیس کا وہ آج تک پورا نہ ہوسکا بلکہ روز افزوں جو قیادت آرہی ہے اس نظریے سے انتہائی دور اور اسے اس کا فہم تک حاصل نہیں، ادراک تک حاصل نہیں اور اس کی سوچ تک میسر نہیں ہے۔ یوں ہمیں آزادی جسم کی حد تک مل گئی لیکن عقل، روح، قلوب اور اذہان کی آزادی میسر نہ آسکی۔ اگر ہم غور کریں تو ہمارا نظام تعلیم، ہمارا قانون، ہماری عدالتیں، ہماری سیاست سب کی سب باہر سے مستعار لی گئی ہیں۔ ہمارے پاس قرآن و حدیث کی دولت موجود ہے۔ قرآن و حدیث نے پورا نظام پیش کیا ہے سیاست کا بھی، عدل کا بھی، تعلیم کا بھی۔ ہر چیز یہاں موجود لیکن ان تمام چیزوں سے انحراف موجود اور قائم ہے اور وہ نظریہ جو اس ملک کی تاسیس میں کارفرما تھا اس سے سراسر بغاوت کی گئی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو اس کی نعمتیں حاصل ہونے کے اسباب ہیں وہ ناپید ہوچکے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اپنا فضل عطا فرماتا ہے لیکن کچھ اسباب کے ساتھ: «إِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ» تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو، اس کی حدود کی حفاظت کرو، اس کی توحید کی حفاظت کرو، اس کے پروٹوکول کی حفاظت کرو اللہ رب العزت تمھاری حفاظت کرے گا۔ (جامع الترمذي: 2516) یہ تقسیم شروع سے قائم ہے۔ آسمان والا زمین والوں پر اپنا فضل نازل فرماتا ہے بشرطیکہ زمین والے آسمان والے کا حق ادا کریں، اس کی عبادت کا، اس کی اطاعت کا اور اس کے دین کے فہم اور تنفیذ کا۔ تو یقیناً اللہ کا فضل حاصل ہوگا۔ آج چونکہ ہم نے آسمان والے کے نظام سے ایک طرح سے بغاوت اختیار کر رکھی ہے۔ اور یہاں ہر چیز امپورٹڈ ہے باہر سے۔ سیاست بھی فرنگی اور قانون بھی فرنگی اور تعلیم بھی فرنگی تو پھر اللہ رب العزت کا فضل، اس کا احسان ہمیں کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اس طرح نظریے سے ہم سراسر انحراف اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور رجوع الی الحق کی کوئی شکل دکھائی نہیں دیتی۔ وجہ یہی ہے کہ یہ شریعت کا ایک اصل ہمارے سامنے موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: «اِنَّ الْخَيرَ لَايَأتِي بِالشَّرِّ» ''خیر کبھی شر کے راستے سے نہیں آسکتی۔'' (مسند أحمد: 21/3) شر جو ہے وہ خیر کو نہیں لاتا۔ شر جو ہے وہ شر کو لاتا ہے۔ ہم نے اپنی قیادت کا چناؤ جس راستے پر قائم کیا وہ شر ہے۔ جمہوریت شر ہے۔ یہ فتنہ ہے۔ یہ قطعاً اسلام کا راستہ نہیں ہے، دین کا راستہ نہیں ہے۔ اس راستے میں اسلام سے بغاوت ہے، توحید سے بغاوت ہے۔ اسلامی اصولوں سے بغاوت ہے۔ اکثریت کی حکومت یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ یہ انسانوں کی اختراع ہے۔ یہ خالق کائنات کا قانون نہیں ہے۔ خالق کائنات کے قانون میں اللہ رب العزت کی حاکمیت ہے اکثریت کی نہیں ہے۔ اکثریت ایک بت ہے جس کو پاش پاش ہونا چاہیے۔ اکثریت کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: «النَّاسُ كَإِبِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً» لوگوں کی اکثریت کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سو اونٹ پالتا ہے۔ کھلاتا ہے، پلاتا ہے۔ بظاہر اونٹ تو بہت ہیں مگر ان میں سواری کے قابل کوئی نہ ہو۔ (صحيح مسلم: 2547) اس کے کام آنے والا کوئی اونٹ نہ ہو۔ پھر سو کی تعداد کا کوئی فائدہ نہیں۔ تعداد بہت بڑی ہے۔ ایک بڑا سرمایہ ہے یہ لیکن وقت آنے پر کوئی کام نہ آئے۔ فرمایا کہ یہ مثال ہے لوگوں کی کثرت کی۔ اکثریت کی کبھی تعریف نہیں کی گئی۔ ﴿وَاَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ﴾ اکثریت کا مزاج ایسا ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی اکثریت حق کو ناپسند کرنے والوں کی ہے۔ (المؤمنون 23:70) ﴿وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ اکثریت کا مزاج ایسا ہے کہ اکثر لوگ بے عقل ہیں، بے وقوف ہیں۔ (المآئدۃ 5:103) اور اس کے مقابلے میں جو اقلیت ہوتی ہے، قلت ہوتی ہے

اس کی تعریف ہے، مدح ہے۔ حوصلہ افزائی ہے۔ ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔ (سبا 13:34) ﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ مومن تھوڑے ہوتے ہیں فاسق زیادہ ہوتے ہیں۔ (آل عمران 110:3) تو جن عناصر پر جمہوریت کا نظام قائم ہوتا ہے وہ سارے عناصر خلاف شریعت ہیں۔ تو بھلا اس راستے سے جو قیادت منتخب ہوتی ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ کوئی توقع نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہی نظام ہم پر قائم ہے جو پاکستان کے قیام سے قبل تھا اور وہی قانون ہے، وہی دستور ہے جو پاکستان کے قیام سے قبل تھا۔ اور عدالتیں اسی دستور کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں۔ نام کی ایک اسلامی کونسل اگرچہ بنی ہوئی ہے مگر یہ المیہ ہے کہ اس کے فیصلے بھی اسی انگریز کی عدالت پر پیش ہوتے ہیں۔ اور ان کی تائید اور موافقت سے ان کی تنفیذ ہوتی ہے۔ اگر موافقت نہ کریں تو ان کی تنفیذ نہیں ہوتی۔ یہ سب کا سب بغاوت ہے اسلامی قوانین سے، اللہ رب العزت کی حکومت سے اور اس کے احکام اور فرامین سے۔ پھر یہ آزادی ابدان کو حاصل ہوئی ہے اور وہ بھی ایک بے معنی آزادی۔ آج رات سے آپ دیکھیں جو کچھ ہورہا ہے۔ مرد وزن کا اختلاط اور موسیقی کی محافل اور بارہ بجتے ہی دھماکوں کی آوازیں اور ایک شور۔ اور اس وقت بہت سے ایسے بندے ہیں، نوجوان ہیں خاص طور پر جنھیں شاید بھول گیا کہ آج جمعہ کا دن ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ گراؤنڈ اور میدان بھرے پڑے ہیں۔ آزادی کے نام سے مقابلے ہورہے ہیں۔ میچ ہورہے ہیں۔ اور جمعہ کا اہتمام نہیں ہے۔ تو پھر کیا یہ قوم آزادی کی مستحق ہے؟ جو اللہ رب العزت کے قوانین سے بغاوت کرے، اور اس کے احکام کو پس پشت ڈال دے، تو یقیناً یہ بڑا ایک انحراف اور الحاد ہے۔ میں نے عرض کیا کہ گئی گزری قوم یہودیوں کی اپنی آزادی کے دن روزہ رکھتی ہے اظہار شکر کے لیے۔ وہ سمجھتی ہے کہ یہ نعمت اسی امر کی مستحق ہے کہ ہم روزہ رکھیں۔ اور یہاں سراسر اور کھلم کھلا ایک بغاوت کا اصول کارفرما ہے جو بہت زیادہ اللہ رب العزت کے عذاب اور اس کی ناراضی کو دعوت دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت سے سرفراز فرمائے اور وہ قوم اس نعمت کے اسباب و مقاصد کو فراموش کردے تو اللہ رب العزت نعمتیں چھین لیتا ہے۔ اس کا قانون اٹل ہے۔ بنی اسرائیل ہی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ بنی اسرائیل کو پورے جہاں پر فوقیت دی گئی، برتری دی گئی، فضیلت دی گئی۔ (البقرۃ 47:2) یہ ایک اعزاز تھا ان کے لیے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس نعمت کا حق ادا کرتے۔ اللہ کا شکر ادا کرتے۔ ایسا نہ ہوسکا۔ انھوں نے قدم قدم پر اللہ کی بغاوت کی۔ موسیٰ علیہ السلام سے ایک معاندانہ رویہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو چھین لیا۔ اب یہ اعزاز امتِ محمدیہ کو حاصل ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ تم سب سے بہترین امت ہو۔ (آل عمران 110:3) لیکن اللہ رب العزت کے اصول ہیں، قوانین ہیں۔ ان کی پاسداری ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محبت سے مجبور نہیں۔ وہ ذات مجبور نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ سمجھا جائے کہ ہم امت محمدیہ ہیں اور ہم سے محبت کرنا اللہ کی مجبوری ہے، نعوذ باللہ، ہرگز نہیں۔ اس کے قوانین، اس کا نظام ہے۔ اس کی پاسداری کرنے والا اس کا مقرب ہے۔ اور اس نظام سے بغاوت کرنے والا اس کے فضل و احسان سے دور ہوجاتا ہے۔ ان قواعد اور قوانین کا احترام ضروری ہے۔ اور یہی دن جو بار بار آتا ہے ہمیں یاد دلاتا ہے اس نعمت کی قدر و قیمت کی۔ تو چاہیے کہ ہم اللہ کی طرف رجوع اختیار کریں، اس کے دین کی طرف، اس کے احکام کی طرف، شریعت کی طرف اور اس کی سچی توحید اس ملک میں نافذ ہو اور اس کے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کی حاکمیت کی یہاں تنفیذ ہو۔ اس کا عزم ہو، اس کا اظہار ہو، جدوجہد ہو اس کے لیے۔ پھر یقیناً یہ اللہ کی رضا کی علامت ہوگا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے نظام سے مسلسل بغاوت اختیار کیے رہے جیسا کہ آہستہ آہستہ فتنے اور خسارے اور نقصانات ہم پر قائم اور مسلط ہیں تو ایک وقت آسکتا ہے کہ اللہ رب العزت کسی بھیانک عذاب میں ہمیں مبتلا کردے اور ایک ایسی آزمائش ہم پر نافذ ہوجائے جس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت نہ ہو۔ لیکن اس تاریکی کے دور میں ہم اہل الحدیث کا کردار بڑا واضح اور متعین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے

پیغمبر کی سنت، اس کے سب سے زیادہ قریب ہم لوگ ہیں۔ ہمیں اس کا فہم ہونا چاہیے اور اس کی اہمیت کا ادراک اور احساس ہونا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم خوب نعمت توحید سے مالا مال ہوں اور اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت اپنے اوپر نافذ کریں۔ اور اس کے بعد جو اہم ذمہ داری ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس توحید کے داعی بنیں اور پیارے پیغمبر کی سنت کے داعی بنیں۔ یہ دعوت ہم ہی نے دینی ہے۔ جس کے منہج میں شرک ہو وہ توحید کا داعی نہیں بن سکتا، جس کے منہج میں بدعت ہو وہ پیارے پیغمبر کی سنت کی دعوت نہیں دے سکتا۔ یہ اسی کا کردار ہے جو نعمت توحید سے مالا مال ہو اور شرک سے بیزار ہو۔ یہ اسی کا کردار ہے جو اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت کی نعمت سے مالا مال ہو اور بدعت سے بیزار ہو۔ یہ اسی کا کردار ہے۔ تو یہ ہمارا کردار ہے۔ توحید و سنت کی نعمت اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ یہ ایک طرح سے ہماری کرامت ہے۔ اس گئے گزرے دور میں جہاں شرک و بدعت کی تاریکیاں ہیں اور ہمارے پاس نور توحید اور نور سنت نبوی ہے۔ یہ اللہ کی نعمت اس کا ہم حق ادا کریں، اس کا فہم ہو صحیح معنی میں۔ اپنے اوپر تنفیذ ہو۔ دعوت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ باقاعدہ اسٹیج کا اہتمام ہو اور باقاعدہ جلسوں اور جلوسوں کی سیاست ہو۔ نہیں جو بھی ملنے جلنے والے ہوں ان تک پیغام پہنچایا جائے۔ ایک سے دو تک اور دو سے دس تک یہ بات اسی طرح پہنچتی ہے۔ دعوتِ دین کا کام بڑا دھیمہ ہے۔ بڑا باوقار ہے۔ دعوت دین کو لوگوں نے مختلف مفروضوں کے تحت بہت زیادہ شریعت سے دور کردیا ہے۔ جس قدر یہ فریضہ مقدس ہے اسی قدر اس فریضے میں بہت سے نقائص لوگوں نے شامل کردیے ہیں۔ کوئی یہ سمجھا کہ دعوت جلسوں اور جلوسوں کی رہین منت ہے۔ جس میں بے تکے نعرے ہوں، اچھل کود ہو، حالانکہ ہرگز نہیں۔ ایسا دین کا مزاج نہیں ہے۔ اور یہ دین کے وقار کے منافی ہے۔ ایک جماعت یہ سمجھتی ہے کہ دعوت کا طریقہ یہ ہے کہ گھر گھر جایا جائے، دستک دی جائے اور گھر والوں کو باہر نکالا جائے اور ان سے کہا جائے: کلمہ پڑھو۔ اور ان کو دعوت دی جائے۔ اس فکر کے حامل بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کو دعوت دینے کے لیے پاؤں دبانا پڑیں ان کے تو ہم پاؤں تک دبائیں گے۔ نہیں ہماری دعوت اتنی ذلیل نہیں جتنا آپ نے کردیا۔ دعوت میں وقار ہے، عزت ہے۔ گھر گھر جانا اللہ کے پیغمبر کے منہج میں شامل نہیں ہے۔ ثابت نہیں ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے یہ دعوت گھر گھر جا کر نہیں دی۔ ہاں آپ نے لوگوں کو جمع کیا، اکٹھا کیا، اکٹھا کر کے ان کو دعوت دی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مختلف علاقوں میں جماعتیں جائیں۔ جماعتوں کا جانا اور بھیجنا اللہ کے پیغمبر کا منہج نہیں ہے۔ اللہ کے پیغمبر باوقار داعی بھیجا کرتے تھے۔ ایک داعی، دو داعی اور وہ جا کر دعوت دیا کرتے تھے۔ جماعتوں کا جانا اور جا کر کسی علاقے میں دو تین دن چار دن قیام کرنا، اپنا پکانا، اپنا کھانا یہ کون سا دین اور کون سا منہج ہے؟ کون سا منہج ہے؟ نبی علیہ السلام سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے یمن جو کہ سارا علاقہ اہل کتاب کا تھا، ایک داعی کو بھیجا، حالانکہ کفار کا علاقہ ہے، وسیع ایک مملکت ہے۔ اور وہاں جماعت کو بھیجنا چاہیے تھا لیکن ایک ہی داعی کو بھیجا دعوت توحید دے کر۔ ان کو دعوت کے اصول سمجھائے۔ طرق سمجھائے، اور وہ ایک ہی داعی پوری قوم کی طرف دعوت لے کر گیا۔ اللہ کی سنت بھی یہی ہے۔ معاشرہ جیسا تاریک ہو اور قومیں جیسی بھی ظالم ہوں اللہ ان قوموں کو سمجھانے کے لیے ایک ہی نبی بھیجتا ہے۔ ایک ہی داعی بھیجتا ہے۔ کسی قوم اور کسی علاقے اور خطے میں انبیاء کی جماعت نہیں گئی۔ ایک ہی نبی گیا ہے۔ یہی دعوت کا وقار ہے۔ اور یہی دعوت کا منصب ہے۔ تو لوگوں نے اپنے اپنے مفروضوں کے تحت اس دعوت کو اپنے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم اہل الحدیث ان سارے سانچوں سے بیزار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اس دعوت کے تعلق سے انھی طرق کو اپنائیں جو طرق اللہ کے پیارے پیغمبر نے اپنائے۔ جو طرق اللہ کے انبیاء نے اپنائے اور ہمارے سامنے بالکل واضح اور کھلی کتاب کی مانند ہیں۔ اور یہی ایک بچاؤ کا راستہ ہے کہ اس سچے دین کو ہم سمجھیں، اپنے اوپر اس کی تنفیذ کریں اور پھر آگے اپنی مملکت میں جس کو ہم نے ایک خاص نظریے کے تحت حاصل کیا اس مملکت میں اس کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ یوم آزادی اس تجدید کا دن ہے

کہ ہم ایک عزم کے ساتھ اس فکر پر قائم ہوجائیں کہ سچی توحید کو اور اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت کو اپنے اوپر نافذ کرنا ہے۔ جس کے لیے ہمارے بزرگوں نے قربانیاں دیں، ہجرت کی، اپنے آباء و اجداد کے مسکن کو چھوڑ دیا، اپنے کاروبار چھوڑ دیے، اپنے گھربار چھوڑ دیے۔ ہجرت اختیار کرلی۔ ہجرت کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تاکہ اپنے خطے میں پہنچ کر آزادانہ طریقے سے اللہ کی عبادت کریں۔ یہ مقصد تو نہیں ہے کہ آزاد ہوکر ہم دھماکے کریں، آزاد ہوکر ہم فائرنگ کریں۔ آزاد ہوکر ہم رقص وسرود کی محفلیں اٹینڈ کریں۔ اور آزاد ہوکر ہم شیطانی اعمال کو دعوت دیں جیسا کہ رات سے جاری ہے۔ ایک عجیب اختلاط، ایک عجیب بدتمیزی کا طوفان برپا ہے۔ کیا یہ آزادی کے تقاضے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو اللہ کی ناراضی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم صحیح دین کو سمجھیں، اپنے اوپر اس کی تنفیذ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی مملکت میں جس کے حصول میں نظریہ کارفرما ہے کہ یہاں اسلام نافذ ہوگا، اللہ کا دین آئے گا اور یہاں سے کفروالحاد رخصت ہوگا، اس نظریے کی تکمیل کی جدوجہد کریں۔ اور یہ عین عبادت ہے۔ اس پیغام کو آگے پہنچایا جائے۔ اور اس کے نشرواشاعت کی کوشش ہو، یہ اللہ کی رضا کا راستہ ہے۔ اور اس مملکت کے بقا کی ایک صورت ہے۔ ورنہ ہماری حرکتوں سے ہمارا ایک بازو ہم سے کٹ چکا ہے۔ پاکستان اس وقت مکمل نہیں ہے ناقص ہے۔ جس مکمل پاکستان کو لاالہ الا اللہ کے نام پر حاصل کیا گیا وہ آدھا کٹ چکا ہے ہماری نالائقیوں کی بنا پر۔ اور باقی آدھا بہت سے فتنوں کی زد میں ہے اور بہت سی یلغاریں اپنی لپیٹ میں اس کو لے چکی ہیں۔ اور ہم ہوش کے ناخن نہیں لیتے اور بیدار ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کا راستہ صرف اللہ کی طرف رجوع اختیار کرنے کا ہے اور سچے دین کو اختیار کرنے کا ہے۔ سچا دین، رجوع الی اللہ، توحید خالص اور اللہ کے پیغمبر کی سنت بچاؤ کا راستہ ہے اور اس مملکت کے بقا کی بنیاد ہے۔ اگر اس سے بغاوت ہوگئی تو پھر جیسے آدھا ملک ہمارا کٹ چکا اللہ نہ کرے باقی کے پیچھے بھی لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اس کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ خارجی اور داخلی سازشیں بالکل ہم قدم ہوچکی ہیں اور باہمی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہیں اور ہمیں قطعاً کوئی ہوش نہیں ہے۔ ہم ذاتی مفادات میں الجھے ہوئے ہیں۔ تو یہ چیز انتہائی خطرناک اور نقصان دہ ہوتی ہے۔ قومیں کیسے تباہ ہوتی ہیں؟ ہمیں ان امور کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اور قوموں کی بقا کے راستے کیا ہیں؟ ان امور کا ہمیں اندازہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بقا عطا فرماتا ہے، کب؟ جب اللہ رب العزت کی توحید کے ساتھ وفاداری ہو اور اس کے نظام کے ساتھ وفاداری ہو۔ اگر بغاوت ہوگی تو اللہ ہم سے ناراض ہوگا اور اللہ کی ناراضی سارے خطرات و نقصانات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے، جبکہ اللہ کی محبت ہماری بقا ہے۔ «إِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ» اللہ کے دین کی حفاظت کرو اللہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ «إِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ» اللہ کے دین کی حفاظت کرو ہمیشہ اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ ہمیشہ اللہ رب العزت تمھاری حفاظت کرے گا۔ (جامع الترمذی: 2516) تو یہ تقسیم روز اول سے ہے، قائم اور جاری ہے کہ آسمان کی طرف سے رحمت اور فضل کی بارش ہوسکتی ہے اگر زمین والے آسمان والے کے نظام کو اپنالیں۔ پوری طرح وفاداری اختیار کرلیں اور اگر بغاوت ہوگی تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجائے گا۔ تو یہ انتہائی نقصان دہ چیز ہوگی جس کے خطرات کے ہم متحمل نہیں ہوسکتے۔ قدم بقدم یہ خطرہ موجود ہے اور ہر دن گزرنے کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے۔ تو ہمیں کیا کرنا ہے؟ سچی توبہ۔ ہمیں کیا کرنا ہے؟ رجوع الی الدین۔ ہمیں کیا کرنا ہے؟ رجوع الی التوحید۔ ہمیں کیا کرنا ہے؟ رجوع الی السنہ۔ ان کا صحیح فہم اور ادراک، اپنے اوپر، اپنے اہل پر ان کی تنفیذ اور اس تنفیذ کی کوشش کو عام کرنا، ایک مربوط دعوت جو انبیاء کے اصولوں اور طرق پر قائم ہو، انبیاء کی بنیادوں پر قائم ہو اور وہی چیز کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ ان شاء اللہ فلاح و رشد اور کامیابی کا راستہ ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے پہلی دعوت میں اس نکتے کو آشکارا کردیا تھا۔ «قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا» اگر فلاح چاہتے ہو، کامیابی چاہتے ہو، ہمیشہ کی کامیابی بلکہ ہر وقت کی کامیابی، دنیا میں کامیابی، آخرت میں کامیابی، قبر میں کامیابی تو «قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» اللہ کی توحید کو مان لو، اللہ کی توحید کا اقرار اور اعتراف کرلو

اللہ تمھیں کامیابی عطا فرمادے گا اگر کامیابی چاہتے ہو۔ (مسند أحمد: 492/3) تو کامیابی حاصل کرنے کا جو نسخہ ہے، نسخہ کیمیا وہ اللہ کے پیارے پیغمبر نے بیان کردیا۔ یہ نسخہ سعادت ہمارے پاس موجود ہے، یہ دولت ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ خزانہ ہمارے پاس موجود ہے۔ پس بات اس کے فہم اور شعور کی ہے، ادراک کی ہے اور اس کی تنفیذ کی ہے۔ اور یہ فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اس کے سوا جو بھی راستہ ہوگا بربادی کا راستہ ہوگا۔ تباہی کا راستہ ہوگا۔ تو اللہ سے دعا بھی کی جائے اور سچی توبہ بھی کی جائے۔

اللہ اس وطن عزیز کی حفاظت فرمائے۔ اللہ اس ملک کو اسلام اور توحید کا گہوارہ بنادے۔ اس ملک کا جو نظریہ ہے توحید اور اسلام، اللہ تعالیٰ اس نظریے کی حفاظت کی توفیق دے اور اسی نظریے کو جو اس کی تاسیس میں شامل تھا اللہ اس کی تنفیذ کی توفیق عطا فرمادے۔ یہ مملکت توحید کی مملکت ہو، یہ مملکت اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت کی مملکت ہو۔ اللہ کے پیارے پیغمبر کی محبت کی مملکت ہو۔ عمل صالح کی مملکت ہو اور علم نافع کی مملکت ہو۔ یہاں صحیح بخاری پڑھی جائے، پڑھائی جائے اور اس کا عموم ہو اور اللہ کے پیغمبر کی سنت «قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰه» کی صدائیں گونجتی ہوں۔ اس طرح اس مملکت کا استوار ہو۔ اللہ پاک توفیق عطا فرمادے۔ وَأَقُولُ قَولِي هٰذَا وَاسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُم وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.



ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ جولائی کے درست جوابات

① قرآن کا مکمل نزول رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کو ہوا۔

② رمضان المبارک میں ایک عظیم واقعہ ''واقعۂ بدر'' پیش آیا۔

③ 10 رمضان المبارک 93ھ کو محمد بن قاسم نے سندھ کا علاقہ فتح کر کے خلافت اسلامیہ میں شامل کیا۔

④ 27 رمضان المبارک 1366ھ کو پاکستان ایک اسلامی سلطنت کے طور پر معرض وجود میں آیا۔

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① ان کا مشن یہ ہے کہ جو بھی مسلمان ہیں ان کو پھر سے ہندو بننا چاہیے۔

② گھر گھر جانا اللہ کے پیغمبر کے منہج میں شامل نہیں ہے۔

③ آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآنِ پاک حفظ کرنے میں شیطان کتنی رکاوٹ ڈالتا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کردیا۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① اللہ تعالیٰ مشرک شخص کو معاف نہیں کرے گا، یہ قرآن میں کس جگہ ہے؟

② شوال کے مہینے میں نبی ﷺ نے کس کس زوجہ محترمہ سے نکاح کیا؟

③ 14 اگست کے حوالے سے پاکستان کی ترقی کے لیے آپ کے کیا عزائم ہیں؟

④ ''یارب! دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے'' شعر مکمل کریں۔

حافظ شبیر صدیق

جنت میں دخول

موت کے بعد یا قیامت کے دن...؟

جنت اور جہنم کے وجود پر یقین ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ قرآن و سنت کی بہت ساری نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اس دنیائے فانی کے علاوہ ایک اور جہان ہے جس میں جنت اور جہنم ہے۔ اور وہی آخری جہان ہے۔ اہل ایمان جنت میں جائیں گے اور کافر و مشرک جہنم میں ہوں گے۔ اہل جنت ہمیشہ جنت میں اور اہل جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ قیامت کے دن نیک اور پارسا لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ اور اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ہماری بحث کا موضوع یہ ہے کہ کیا کوئی شخص یوم آخرت سے پہلے بھی جنت میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہماری اس بحث کا سبب وہ آیات و احادیث ہیں جن میں بعض اعمال کے بجالانے پر قیامت سے پہلے ہی جنت میں داخلے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح وہ آیات و احادیث بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ بعض افراد کو معمولی سا کام کرنے پر جنت میں داخل کردیا گیا۔ یہ اور اس جیسی دیگر احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کریں گے کہ جنت میں داخلہ قیامت سے پہلے بھی ممکن ہے یا قیامت کے دن ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ اگر قیامت سے پہلے جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے تو پھر ان احادیث کا کیا معنی ہے جن میں موت کے فوری بعد جنت میں داخلے کا ذکر موجود ہے؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات ان احادیث کی وجہ سے ذہن میں جنم لیتے ہیں۔ مسئلے کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آیات و روایات ذکر کردی جائیں جن کی بنیاد پر ایسے سوالات جنم لیتے ہیں:

① شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے: ''ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

(آل عمران 3:169-171)

② سورہ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا تذکرہ فرمایا ہے جس نے اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دی کہ انبیائے کرام جو کچھ تمھیں کہتے ہیں ان کی بات کو مانو۔ قوم کے لوگوں نے اس کی بات ماننے کی بجائے اسے قتل کرڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مخاطب ہوکر فرمایا: ''تو جنت میں داخل ہوجا، اس نے کہا: کاش! میری قوم جان لے۔ (یہ بات) کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور اس نے مجھے معزز لوگوں میں (شامل) کردیا ہے۔'' (یٰسٓ 27,26:36)

③ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے جنت میں جانے سے موت کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی۔'' (صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 119/2) یعنی فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے ولا شخص جیسے ہی فوت ہوگا اسے جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

④ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''ایک آدمی نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت سے نڈھال ہورہا تھا۔ اس آدمی نے اپنے جوتے کے ساتھ کنویں سے پانی نکال کر اس کتے کو پلایا یہاں تک کہ اسے سیر کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے اس عمل کی قدر دانی کی اور اسے جنت میں داخل کردیا۔'' (مسند أحمد: 521/2)

⑤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے کبھی بھی نیک عمل نہیں کیا تھا مگر ایک مرتبہ اس نے تکلیف دہ ٹہنی کو رستے سے ہٹادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدردانی کی اور اسے جنت میں داخل کردیا۔'' (سنن أبي داود: 5245)

⑥ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کے بعد صحابہ کرام سے پوچھا: ''فلاں قبیلے کا کوئی شخص یہاں موجود ہے؟'' جب اس قبیلے کا ایک آدمی کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری قوم کے فلاں شخص کو قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے جنت کے دروازے پر روکا جاچکا ہے، لہٰذا تم اس کی طرف سے قرض ادا کرو تاکہ وہ جنت میں داخل ہوسکے۔'' (مسند أحمد: 13/5)

یہ اور اس جیسی دیگر آیات و روایات کا مطالعہ کرنے والے شخص کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان افراد کا جنت میں داخلہ کس اعتبار سے ہے۔ آیئے! قرآن و حدیث کی روشنی میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احادیث کا مطالعہ کرنے سے اس سوال کا جواب درج ذیل پہلوؤں سے ہمارے سامنے آتا ہے:

نبی ﷺ اور آدم علیہ السلام کا جنت میں دخول

احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفرِ معراج پر گئے تو آپ ﷺ کو جنت کی سیر کروائی گئی۔ گویا آپ ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ جنت میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کا یہ داخل ہونا اپنی زندگی ہی میں تھا۔ یہ آپ ﷺ کا ایک معجزاتی سفر تھا جو ایک



مختصر گھڑی پر محیط تھا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے کے بعد جنت میں داخل فرمایا۔ آپ علیہ السلام ایک عرصے تک جنت میں رہے۔ اس کے بعد ایک غلطی کر بیٹھنے پر انھیں جنت سے زمین پر اتار دیا گیا۔ ان دونوں عظیم شخصیات کا جنت میں دخول ایک عارضی تھا نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔ چونکہ یہ ایک استثنائی صورت ہے اس لیے اس حوالے سے بحث چھیڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

یہ تو تھا سیدنا آدم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ۔ ان کے علاوہ دیگر انبیاء اور اہل ایمان کا کیا معاملہ ہے؟ اس حوالے سے صحیح بات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ہم اسے دو صورتوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: ① موت کے بعد جنت میں دخول ② قیامت کے دن جنت میں دخول

موت کے بعد جنت میں دخول

ایک نیک اور پارسا آدمی اپنی وفات کے بعد قیامت تک کے دوران جو وقفہ ہے اس دوران وہ جنت میں داخل ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ یہ ہماری بحث کا بنیادی نکتہ ہے۔ اس حوالے سے جب ہم احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ موت کے بعد انسان جسمانی طور پر جنت میں نہیں جاتا بلکہ اس کی روح جنت میں جاتی ہے۔ اس کی تائید میں بہت ساری احادیث موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی روح جنت میں اڑ پھر کر جنت کے درختوں سے کھاتی پیتی ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔''

(موطا امام مالك:240/1)

② شہداء کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کی روحیں جنت میں چلتی پھرتی اور سیر کرتی ہیں۔ جب شام کا وقت ہوتا ہے تو وہ ان قنادیل کی طرف لوٹ آتی ہیں جو عرش کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔(صحیح مسلم: 1887)

③ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جنت میں دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے۔''(جامع الترمذي:3763)

اس کی وضاحت دوسری روایت میں ہے کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پروں میں بدل دیا گیا تھا جس وجہ سے وہ جنت میں اڑ پھر رہے ہیں۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن احادیث میں کسی نیک عمل پر مرنے کے فوراً بعد جنت کی خوشخبری ہے اس سے اس آدمی کی روح کا جنت میں جانا مراد ہے۔ اس آدمی کا اپنے جسم اور روح کے ساتھ جنت میں جانا ممکن نہیں ہے۔ ہاں! البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نیک آدمی کو قبر میں جنت کی بعض نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ جب نیک آدمی قبر میں صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کے لیے جنت کی جانب سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔(صحیح الترغیب:11/1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ جو شخص قبر میں سوالات کے صحیح جواب دینے میں کامیاب ہوگیا اس کے لیے آخرت کا معاملہ بھی آسان ہوگا۔ جو شخص قبر میں نجات نہ پا سکا تو آخرت کا معاملہ اس کے لیے بہت شدید ہوگا۔'' (جامع الترمذی: 2308) یعنی قبر میں بھی ایک ہلکا سا حساب ہونا ہے جس میں کامیاب ہونے والے کو وقتی طور پر قبر ہی میں جنتی نعمتوں سے نوازا جائے گا نہ کہ جنت میں داخل کر کے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مذکورہ توضیح کے بعد ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں آدمی کو جنت میں دیکھا یا جنت میں چلتے وقت اس کے قدموں کی آہٹ کو سنا۔ مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''میں نے جنت میں تیرے قدموں کی آہٹ کو سنا ہے۔ ایسا کون سا عمل تو نے کیا ہے جس وجہ سے تجھے یہ مقام حاصل ہوا ہے؟ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ایک عمل کے بارے میں خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے مجھے یہ مقام عطا کیا ہے، وہ عمل یہ ہے کہ دن یا رات کے وقت جب بھی میں وضو کرتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز ضرور ادا کرتا ہوں۔'' (صحیح البخاري: 1149) ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: ''میں نے جنت میں تمھارا محل دیکھا، محل کے ایک جانب میں نے دیکھا کہ ایک عورت بیٹھی وضو کر رہی تھی۔'' (صحیح البخاري: 3242) اب شبہ یہ ہے کہ اگر قیامت سے پہلے کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکتا تو پھر ان احادیث کا کیا معنی ہوگا؟ اہل علم نے دو طرح سے اس کی توضیح کی ہے اور دونوں میں سے ہر توضیح اپنی جگہ درست ہے۔

پہلی توضیح: یہ اور اس جیسی دیگر احادیث رسول اللہ ﷺ کے خواب سے تعلق رکھتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب کی حالت میں قدموں کی آہٹ کو سنا اور اس عورت کو وضو کرتے دیکھا۔ ان احادیث سے یا تو مذکور شخص کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے یا پھر اس عمل کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے جس وجہ سے صاحبِ عمل کو یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اشخاص درحقیقت جنت میں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا خواب چونکہ وحی کا ایک حصہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بالجزم اس بات کو بیان فرمایا کہ میں نے جنت میں یہ یہ دیکھا۔

دوسری توضیح: ان روایات کی دوسری توضیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بعض افراد کو جنت میں دیکھنا حقیقی اعتبار سے تھا۔ وہ امور جو آخرت میں ہونے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی پر پہلے ہی منکشف فرمادیا۔ اسی طرح معراج کی رات جنت اور جہنم میں جو کچھ آپ ﷺ کو دکھایا گیا وہ بھی سب قیامت والے دن وقوع پذیر ہونے والے معاملات ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل پردے ہٹادیے، وہ وہ مناظر آپ ﷺ کو دکھادیے جن کا وقوع آخرت میں ہونا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر معراج سے واپس آئے تو کفار مکہ نے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں۔ جو سوال انھوں نے کیے ان میں سے چند سوالوں کے جواب اللہ کے پیغمبر ﷺ کو یاد نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کردیا۔ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کو دیکھ کر جو کچھ حقیقت میں تھا وہ سب کچھ کفار مکہ کو بتاتے چلے گئے۔ یعنی آپ ﷺ کا بعض افراد کو جنت میں دیکھنا حقیقت میں تھا مگر یہ حقیقت قیامت سے پہلے نہیں بلکہ بعد میں رونما ہوگی۔

قیامت کے دن جنت میں دخول

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿هٰذَا مَا تُوعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ ''یہ ہے جس کے حساب کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' (صٓ 38:53) یعنی جنت کا حقیقی دخول قیامت کے دن ہی نصیب ہوگا جب تمام لوگوں کا حساب ہوگا۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو حساب کے بغیر ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''قیامت کے دن جنت کے دروازے پر میں دستک دوں گا۔'' دروازے پر موجود فرشتہ پوچھے گا: ''آپ کون ہیں؟'' میں جواب دوں گا: ''میں محمد (ﷺ) ہوں۔'' وہ فرشتہ کہے گا: ''مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی اور کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔'' (صحیح مسلم: 197) رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے بعد اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے۔ مسلمانوں میں سے جو گناہ گار ہوں گے وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا بھگتیں گے، بالآخر انھیں بھی جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ یہی دخول حقیقی دخول ہے۔ جو شخص ایک دفعہ جنت میں داخل ہوگا اسے دوبارہ جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ بلکہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

خلاصہ کلام

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جن اعمال کی بنیاد پر وفات کے فوراً بعد جنت میں داخلے کا ذکر ہے اس سے مراد روح کا جنت میں جانا ہے۔ جسد عنصری کے ساتھ جنت میں دخول قیامت کے دن ہی ہوگا اور اہل ایمان سے وعدہ بھی یہی کیا گیا ہے۔ وہ روایات جن میں موت کے بعد جنت میں داخلے کا ذکر ہے ان کی مختصر توضیح بھی ہم نے پیش کردی ہے کہ اس سے مراد روح کا جنت میں جانا ہے۔

نوٹ: مضمون میں اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم حضرات منہج سلف سے ہٹ کر اگر کوئی بات محسوس کریں تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔ ہم ان کے شکرگزار اور اللہ کے ہاں ان کے لیے دعا گو ہوں گے۔





آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

صف پوری ہونے پر کیا کیا جائے؟

سوال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حضرت صاحب میرا ایک سوال ہے کہ ایک بندہ نماز کے لیے آیا ہو لیکن صف مکمل ہو چکی ہو، آگے سے بندہ کھینچنے والی روایت بھی کمزور ہے، کیا آنے والا امام کی دائیں جانب صفیں پھلانگ کر کھڑا ہو سکتا ہے؟ کچھ حضرات اس پر عمل پیرا ہیں، جواب مدلل مطلوب ہے۔ (سائل: محمد عرفان تلونڈی)

جواب جب صف مکمل ہو چکی ہو تو آنے والا شخص پیچھے اکیلا بھی کھڑا ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ عذر ہے، اور امام کی دائیں جانب بھی، (مزید تفصیل کے لیے ضیائے حدیث، شمارہ اگست 2011 ملاحظہ فرمائیے) لیکن لوگوں کو اس سنت کا پتا ہونا چاہیے، کہیں اسے معیوب نہ سمجھیں اور انتشار نہ پھیلے، اس لیے عمل سے قبل ذہن سازی ضروری ہے، نیز سنت کی اتباع کا جذبہ بھی پروان چڑھانا چاہیے، تب معنی خیز نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کا جواز صحیح بخاری کی حدیث سے کشید ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ زندگی کے آخری ایام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب آکر بیٹھ گئے تھے، اور امامت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ اس حدیث سے مذکورہ عمل کا جواز نکلتا ہے، لیکن اس طریقے سے صفوں میں بدنظمی پیدا نہیں کرنی چاہیے اور نہ لوگوں کو پریشان ہی کرنا چاہیے، بلکہ بروقت آنے کی کوشش کی جائے، بہرحال حکمتِ عملی سے کام لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان ایک سنت کی اپنے غلط طریقے سے تشریح وتعمیل کی وجہ سے کئی سنتوں سے نفرت کا باعث بنے۔

جنین میں روح کب پھونکی جاتی ہے؟

سوال صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ جب چار ماہ کا ہوتا ہے تو روح پھونک دی جاتی ہے۔ جبکہ ڈاکٹرز حضرات کا کہنا ہے کہ جب بچہ پانچ ہفتے کا ہوتا ہے تو ہارٹ کی حرکت شروع جاتی ہے جس کا وہ یہ مفہوم لیتے ہیں کہ بچے میں روح پانچ ہفتوں میں آجاتی ہے، اس اختلاف کی مناسب تطبیق مفصل تحریر فرمائیں۔

جواب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر خدمت ہیں،



صحیحین کی جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے، قارئین کے فائدے کے لیے پیش کردیتا ہوں، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا جو کہ صادق ومصدوق ہیں: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں مکمل کی جاتی ہے۔ چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر اتنے ہی وقت تک منجمد خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر اتنے ہی روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل، اس کا رزق، اور اس کی عمر لکھ دے، اور یہ بھی لکھ دے کہ یہ بدبخت یا نیک بخت، اس کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے.....'' (صحیح البخاری، حدیث: 3208، صحیح مسلم: 2673)

حدیث کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب جنین ماں کے پیٹ میں چار ماہ کا ہوجاتا ہے تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، جبکہ ڈاکٹر حضرات کی آپ کے بیان کے مطابق یہ تحقیق ہے کہ جب بچہ پانچ ہفتے کا ہوتا ہے تو ہارٹ کی حرکت شروع ہوجاتی ہے، یہ بات صحیح ہے، کم وبیش اس مدت میں واقعی ان کی تحقیق میں بچے کے دل کی حرکت شروع ہوجاتی ہے، اس حد تک تو بات ٹھیک ہے، کیونکہ بعض سے ہم نے بھی رابطہ کیا ہے، ان کے بقول یہ قلبی حرکت روح کی بنا پر نہیں بلکہ اس زندہ کرم (حیوانِ) منوی کی اصل حرکت یا اس زندگی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اسے رحمِ مادر میں حاصل ہوتی ہے، اسی لیے وہ حرکت کرتے ہوئے عورت کے رحم کے اندر موجود بیضے میں جا گھستا ہے تو قلبی حرکت کی اصل وجہ یہ ہے، ڈاکٹروں کی تحقیق بھی یہی ہے کہ روح چار مہینے کے بعد ہی ڈالی جاتی ہے، جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ ''جس کا وہ یہ مفہوم لیتے ہیں کہ بچے میں روح پانچ ہفتوں میں آجاتی ہے، یہ محلِ نظر ہے، مزید تحقیق فرمائیں، وہ اس کا یہ مفہوم نہیں لیتے، بالفرض اگر وہ یہ مفہوم لیتے بھی ہوں تو اس سے ڈاکٹرز حضرات کے مابین اختلاف لازم آتا ہے، اس لیے ان کی اس تحقیق کو ترجیح ہوگی جو حدیث کے موافق ہوگی۔ بہرحال اس توضیح کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ مذکورہ مدت میں قلبی حرکت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں روح ہوتی ہے، بلکہ قلبی حرکت کی وجہ اور چیز ہے۔ واللہ اعلم، لہٰذا ڈاکٹری توضیح اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

جنین کے متعلق چند دیگر سوالات

سوال ڈاکٹرز حضرات کا کہنا ہے کہ جب بچہ دو یا تین ماہ کے بعد فوت ہوجائے تو اس کو ضائع کروادیں، کیا روح آنے سے پہلے بچہ فوت ہوسکتا ہے؟

جواب مذکورہ عرصہ میں فوت ہونے سے مراد یہ نہیں کہ اس میں پہلے روح تھی اب پرواز کرچکی تو وہ فوت ہوگیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں کبھی کبھار اس کی افزائش یا گروتھ رک جاتی ہے، یا اس کی افزائش کا سلسلہ بالکل بند ہوجاتا ہے جس وجہ سے وہ ایک بے جان مجسمہ یا ایک ناقص الخلقت بے روح انسان کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں روح تھی تب وفات کا شکار ہوا، کیونکہ جنین کے جاندار ہونے یا ذی روح ہونے میں فرق ہے، ماں کے پیٹ میں اس کی نشوونما یا گروتھ اس کے جاندار ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ اس کے ذی روح ہونے کی وجہ سے، واللہ اعلم۔ ایسے ہی جیسے کرم (حیوانِ) منوی کی حرکت اس کے جاندار ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ ذی روح ہونے کی وجہ سے۔

سوال بعض آثار اور تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ بعض اوقات ماں کے پیٹ میں کچھ عرصہ خشک رہنے کے بعد دوبارہ گروتھ شروع کردیتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اسی طرح بچہ خشک ہوجاتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے، فرق کیسے معلوم ہوگا؟

جواب آپ کے بعض سوال بالکل میڈیکل سائنس سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن چونکہ روز مرہ زندگی میں اس قسم کے مسائل پیش آتے رہتے ہیں اس لیے جواب آسان ہے۔ خشک ہونے سے غالباً آپ کا مقصود جنین کی نشوونما اور نمو کا رک جانا ہے، آج کل برقی خردبین اور الٹراساؤنڈ کی سہولیات موجود ہیں جن کی روشنی میں ان امور کی تحقیق اور ان سے باخبر رہنا انتہائی آسان ہوچکا ہے، بچے کی گروتھ کم ہورہی ہو یا رک چکی ہو، اس کا الٹراساؤنڈ سے پتا لگایا جاسکتا ہے۔ نیز مختلف ادویہ کے استعمال سے نشوونما بحال بھی کی جاسکتی ہے، گروتھ کا رکنا تحقیقات سے ثابت



ہے، نیز یہ سوال کہ بچہ خشک ہوگیا ہے یا فوت، فرق کیسے معلوم ہوگا؟ تو جدید آلات کے ذریعہ سے ان حقائق تک رسائی بھی فی زمانہ کوئی مشکل امر نہیں، اس کا تعلق ڈاکٹری سے ہے۔ اس لیے ہمارا مشورہ ہے کسی گائنا کالوجسٹ (Gynaecologist) سے رابطہ کرلیا جائے۔

سوال کیا چار ماہ کے بعد بچہ مردہ پیدا ہو یا بذریعہ آپریشن ہو اس کا جنازہ پڑھیں یا نہیں؟

جواب چار ماہ کے یا چار ماہ کے بعد پیدا ہونے والے بچے کی نماز جنازہ پڑھنا مشروع اور جائز ہے واجب نہیں، یعنی نماز جنازہ پڑھے بغیر بھی اسے دفنایا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلسِّقْطُ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ» ''ناتمام گرنے والے بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور اس کے والدین کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کی جائے۔'' (سنن أبي داود، حديث: 3180)

بعض روایات میں «اَلطِّفْلُ» کے الفاظ بھی آتے ہیں، مراد بچہ ہے۔ نابالغ بچے کی نمازِ جنازہ کے جواز کی دوسری دلیل سنن نسائی وغیرہ کی حدیث ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصَبِيٍّ مِنْ صِبْيَانِ الْأَنْصَارِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ.....» ''رسول اللہ ﷺ کے پاس انصار کا ایک بچہ لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔''

(سنن النسائي، حديث: 1949)

کبھی نہ بھی پڑھی جائے تب بھی جائز ہے، سنن أبي داود میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لخت جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ (سنن أبي داود، حديث: 3187)

مسند احمد (281/3) میں بسند صحیح سیدنا انس بن مالک سے مروی ہے کہ ان سے سوال ہوا: «صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي» ''کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی، انھوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔''

اگر رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہوتی تو سیدنا انس پر یہ بات مخفی نہ رہتی کیونکہ عرصہ دس سال تک وہ آپ کی خدمت میں مصروف رہے۔

(تفصیل دیکھیے: أحكام الجنائز للألباني، ص: 104)

حدیث میں چونکہ چار ماہ کے بعد بچے میں روح پھونکنے کا ذکر آتا ہے اس لیے اس مدت کے بعد وفات ہو یا سِقط ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ہاں اگر چار ماہ سے قبل اس کی وفات ہو تو پھر وہ زندہ متصور نہیں ہوگا کیونکہ وہ ذی روح نہیں۔ اس لیے اس کی نماز بھی مشروع نہیں۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ جب ساقط بچہ زندہ پیدا ہو کر چیخے تو تب اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے تو یہ روایت ضعیف ہے، اور وہ یہ ہے: «إِذَا اسْتَهَلَّ السِّقْطُ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوُرِّثَ» (أحكام الجنائز للألباني، ص: 106)

بقیہ: اسرائیلی درندگی فلسطین کے تاریخی پس منظر میں

ساتھ سفارتی تعلقات استوار کرلیے۔ تب 1981ء میں اسرائیلی فوجوں نے جزیرہ نما سینا خالی کردیا لیکن غرب اردن، بیت المقدس اور غزہ کی پٹی یہودیوں کے تسلط میں رہے۔ 1982ء میں اسرائیلی جرنیل ایریل شیرون نے لبنانی مسیحی ملیشیا سے مل کر لبنان میں واقع فلسطینی کیمپوں صبرہ وشاتیلا میں قتل عام کیا۔ 1991ء میں صدام حسین کے کویت پر ناجائز قبضے میں یاسر عرفات رئیس تنظیم آزادی فلسطین (PLO) نے صدام کی حمایت کی تو وہ دیگر عرب ممالک کی حمایت سے محروم ہوگئے۔ 1982ء میں تنظیم آزادی فلسطین کو بیروت (لبنان) سے نکال دیا گیا تھا اور اس کی قیادت تیونس میں پناہ گزیں تھی۔ 1993ء میں یاس زدہ یاسر عرفات نے اوسلو معاہدے پر دستخط کرکے اسرائیل کا ناجائز وجود تسلیم کرلیا۔ اس معاہدے کے مطابق غرب اردن اور غزہ کی پٹی میں فلسطینی ریاست قائم ہونی تھی جو تاحال قائم نہیں ہوسکی۔ 1996ء میں رئیس یاسر عرفات کے زیر قیادت سلطہ فلسطینیہ (فلسطینی اتھارٹی) کو غرب اردن اور غزہ کی پٹی میں بس بلدیاتی اداروں کے اختیارات دیے گئے۔ چند سال بعد پی ایل او کے خلاف فلسطینی تنظیم حماس نے غزہ کی پٹی پر قبضہ کرلیا تو اسرائیل نے وہاں حملہ کرکے تباہی مچادی۔ پھر 2006ء میں اسرائیلی فوج غزہ کی پٹی سے نکل گئی۔ 2008-9ء میں اسرائیل نے ایک ماہ بمباری کرکے غزہ کے 1400 باشندے شہید کردیے، اور اب ایک بار پھر اسرائیلی درندگی کا نیا مظاہرہ ہو رہا ہے!

اپنا نصب العین بنائیے!!

حافظ عبدالسمیع

ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک مفید مقصد کا انتخاب کرے پھر اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ رب العزت پر بھروسا کر کے اپنی بہتر ذہنی اور عملی صلاحیتیں بروئے کار لائے۔

آپ غور کریں وہ لوگ جو دنیا کے افق پر جگمگاتے ہیں، جن کے نام صدیاں بیت جانے کے باوجود آج بھی درخشاں ہیں اور لوگوں کے قلوب و اذہان پر چھائے ہوئے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک مخصوص ہدف مقرر کیا۔ پھر اس کے حصول کی خاطر اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور بالآخر اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

نصب العین کی ضرورت و اہمیت

عقلمند انسان کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، گفت و شنید اور دیگر معاملاتِ زندگی ایک خاص ہدف کے حصول کے لیے بسر ہوتے ہیں۔ گویا یہ زندگی کے ہر موڑ پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے اور اپنے مشن کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بدقسمتی سے ہم میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کے سامنے کوئی ہدف، کوئی مقصد اور کوئی منزل ہی نہیں۔ بس وہ بے مقصد زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی عمرِ عزیز بے کار گزرتی جا رہی ہے۔ ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ دھیرے دھیرے دمبدم

بے مقصد لوگ متاعِ زندگی کو ضائع کر رہے ہیں۔ ان کی زندگی اور عام جانوروں کی زندگی میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ جانور بھی بچے پیدا کرتے، انھیں پالتے پوستے ہیں اور پھر

وقت مقررہ پر مرجاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے یہ احباب بھی شادی کرتے ہیں، پھر بچوں کو پالتے پوستے ہیں اور بے مقصد زندگی گزار کر قبر تک پہنچ جاتے ہیں۔

ہدف اور مقصد متعین نہ کرنے کے نقصانات

جو لوگ زندگی گزارنے کے لیے کسی ہدف کا انتخاب نہیں کرتے۔ عموماً ایسے افراد اپنی زندگی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ غفلت و سستی کا شکار رہتے ہیں۔ پورے اعتماد کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ قدم قدم پر انھیں اوروں سے راہنمائی لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ انھیں اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ یہ قوتِ ارادی سے کورے ہوتے ہیں۔ اور عموماً کسی کا آلہ کار بن کر جیتے ہیں۔ قیادت و سیادت ان کے حصے میں نہیں آتی۔ لوگوں کی نظر میں ان کا کوئی خاص مقام نہیں ہوتا، نہ یہ لوگوں کے کسی کام آتے ہیں۔ ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے افراد کی پریشانیوں کا اصل سبب یہی ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا کوئی ہدف متعین کر کے اس تک رسائی کی کوشش نہیں کی۔ اگر یہ ایسا کر لیتے تو ان کی زندگی یکسر مختلف ہوتی۔

ہدف متعین کرنے کے فائدے

① جب انسان اپنی زندگی ایک خاص مقصد کے تحت بسر کرتا ہے۔ تو اس مقصد کے حصول کی راہ میں اسے آئے دن نت نئے تجربات ہوتے ہیں۔ یوں اس میں ذاتی طور پر پختگی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ اپنی زندگی کے اہم اور نازک معاملات کا آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے۔

② جب بامقصد زندگی بسر کرنے والے کو اپنے مشن میں کامیابی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں تو اسے ایک دلی اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے جس کی بدولت اس میں خوداعتمادی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور خوداعتمادی ہی انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔

③ جب یہ اپنا ایک ہدف حاصل کر لیتا ہے تو پھر دوسرے ہدف کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یوں عام لوگ اس کی فطری صلاحیتوں سے متاثر ہوکر اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں اس شخص کی قدر و منزلت پیدا ہوجاتی ہے۔

④ جب انسان اپنا ایک مقصد متعین کر لیتا ہے۔ تو لازمی طور پر اس کے حصول کے لیے وہ اپنے وقت کو ترتیب دیتا ہے۔ یوں اس کا وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اور یہ تھوڑے عرصے میں زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔ اس شخص کی زندگی ایک آئیڈیل اور راہنما زندگی بن جاتی ہے اور عام لوگ اس کی سیرت و کردار سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

عمومی اہداف و مقاصد

یہ ایک انتہائی اہم اور نازک مسئلہ اور مرحلہ ہے کہ ہم کس ہدف یا مقصد کا انتخاب کریں! عام طور پر ہمارے سامنے یہ اہداف ہوتے ہیں: حصولِ تعلیم، روزگار، مستقبل کے منصوبے، معاشی اور تجارتی سرگرمیاں، سیاست و قیادت، رفاہی اور عوامی کام وغیرہ۔

ہدف کیسے مقرر کیا جائے؟

ہر انسان کی فطری صلاحیت، ہمت و ذہانت خیالات، جذبات اور رُجحانات مختلف ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم جو مقصد، مشن یا ہدف متعین کرنے کے آرزومند ہیں، سب سے پہلے اس کے متعلق مکمل معلومات حاصل کریں۔ اس کے ہر ہر پہلو کا بغور جائزہ لیں۔ اس کے متوقع نفع اور نقصان دونوں کو مدنظر رکھیں۔ اس کی تکمیل کے لیے پیش آنے والی امکانی مشکلات کا جائزہ لیں۔ یوں اچھی طرح سوچ بچار اور استخارہ کرنے کے بعد کسی ایک لائن کا انتخاب کر لیا جائے۔ اور پھر اس کے حصول کے لیے پوری ہمت، حوصلے اور ولولے سے لگاتار محنت کی جائے۔

اس سلسلے میں ذیل میں دی گئی ہماری چند اہم گزارشات لازماً پیش نظر رکھیے:

① خوب یاد رہے کہ آپ جس ہدف کا تعین کر رہے ہیں آپ میں اسے حاصل کرنے کی بنیادی صلاحیت ضرور موجود ہونی چاہیے، مثلاً: آپ ایک بہترین فوجی کمانڈو بننا چاہتے ہیں تو کم از کم اتنا ضرور دیکھ لیں کہ آپ کے جسم میں اس کی قوت اور صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟

② وہ ہدف زمینی حقائق کے مطابق عملی امکانات کی حدود میں ہونا چاہیے، تخیلات کے ہوائی قلعوں پر مشتمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دنیا عمل اور اس کے نتائج کی جگہ ہے۔ یہاں خیالی پلاؤ پکانے والے کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ قابل عمل مقصد متعین کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ انسان جمعیت قلب کے ساتھ

مستقل مزاجی سے کام کرے۔ پراگندہ خیالات کا منتشر آدمی کوئی کام نہیں کرسکتا۔

③ ہدف ایسا ہو کہ کم ازکم اس میں کامیابی کے واضح امکانات موجود ہوں۔ ہرچند منزل دور ہی ہو، اس کے حصول کے لیے مسلسل چلتے رہنا اور محنت کرنا شرطِ لازم ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تاریخ روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے، مثلاً: ''بیت المقدس کو فرنگیوں سے آزاد کرانا'' عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی، نجم الدین ایوب، اسدالدین شیرکوہ جیسے بہادر مجاہد لوگوں کا ہدف اور مقصد تھا۔ جسے بالآخر نجم الدین ایوب کے بیٹے سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسلسل اور انتھک کوششوں کے ذریعے حاصل کرلیا۔

④ ہدف ومقصد ایسا ہو کہ ماضی میں اس کی کوئی مثال موجود ہو تاکہ اس کی روشنی میں نفع و نقصان کو سامنے رکھ کر حکمتِ عملی تیار کی جاسکے۔

⑤ ہدف اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں ہونا چاہیے۔

تکمیل مشن

جونہی ہم اپنی زندگی کا ہدف یا مقصد متعین کریں تو پھر کوئی وقت ضائع کیے بغیر اس مقصد کے لیے کام شروع کردینا چاہیے۔ اس ضمن میں چند امور نہایت اہمیت کے حامل ہیں:

① ہدف کی تکمیل کے لیے بہترین پلاننگ کی جائے۔

② اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے اور اسی پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے کام کی ابتدا کی جائے۔

③ پوری مستقل مزاجی سے کام شروع کیا جائے۔

④ اللہ تعالیٰ سے اس کے مکمل ہونے کی دعا کی جائے۔

⑤ دورانِ عمل کوئی رکاوٹ یا مشکل پیش آئے تو اس فن کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے۔

⑥ جہاں تک ممکن ہو صبح سویرے کام کرنے کی عادت ڈالی جائے۔

⑦ سحری کے وقت اٹھنے کا معمول بنایا جائے اور فجر کے بعد سونا ترک کردیا جائے۔

⑧ خوب یاد رہے کہ جب آپ منزل کی طرف رواں دواں ہوں گے اور آپ کی کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگیں گے تو آپ کے کئی نئے دشمن اور حاسد جنم لیں گے۔ مشہور مقولہ ہے: «إِنَّ أَعْدَاءَ النَّجَاحِ كَثِيْرُوْنَ» ایسے لوگ خواہ مخواہ آپ کو بلا طلب طرح طرح کے مشورے دینے لگیں گے۔ یہ آپ کو اپنی محبت جتلائیں گے، میٹھی میٹھی گمراہ نصیحتیں کریں گے۔ یہ فریبی لوگ آپ کو اپنے مشن کی تکمیل سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ان حالات میں ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے۔ اور ان لوگوں کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ لوگ جب اپنا وار خالی جاتا دیکھیں گے تو پھر سرِعام آپ کی مخالفت شروع کردیں گے۔ آپ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے۔ لوگوں کو بھڑکائیں گے، آپ سے بدظن کریں گے لیکن آپ ان سے ہرگز نہ گھبرائیں۔ اللہ پر کامل توکل اور بھروسہ رکھتے ہوئے سُوئے منزل چلتے رہیں۔ ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ اور ہرجگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ بدفطرت لوگ ہوتے ہیں خود کام کرتے ہیں نہ کسی کو کرنے دیتے ہیں۔ اور دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جب فرنگیوں سے برسرِ پیکار تھے تو عین جنگ کے دوران ان لوگوں نے سلطان کو قتل کرنے کے لیے ان پر حملے کیے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مستقل مزاج مجاہد بندے کو ہرقسم کے گزند سے محفوظ رکھا۔

آخر میں گزارش ہے کہ یہ اہداف ومقاصد تو وہ ہیں جنھیں ہم اپنی سوچ وفکر اور صلاحیت کے اعتبار سے متعین کریں گے اور انھیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ایک اصلی مقصد ایسا بھی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں صلاحیت دے رکھی ہے اور یہی انسان کا اصل مقصد حیات ہے، یعنی خود بھی پکے ایمان اور اعمال صالحہ کا نمونہ بننا اور دوسروں کو بھی اسی عظیم عمل کی دعوت دینا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت الفردوس کے حصول کا سیدھا اور سچا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے حقیقی ہدف کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب.

عبدالمالک مجاہد

بانکے لال سے.....ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظ

14 سال کے دورانیے میں 20 جلدوں پر مشتمل تمام ''احادیث صحیحہ'' کا مجموعہ تیار کرنے والی مایہ ناز شخصیت کی داستانِ عزیمت کے چند سنہرے اوراق

اس روز میں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ میری بہنوں نے ہی میرے لیے سحری بنائی تھی۔ اسلام لانے کے بعد یہ میرا پہلا روزہ تھا۔ میں نے اپنی والدہ کو گلے لگایا ان کا ماتھا چوما، ان کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا۔ میں نے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ جب تک آپ مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیں گے میں اس گھر میں رہوں گا، مگر جب آپ نے نماز پڑھنے سے منع کر دیا تو میں گھر چھوڑ دوں گا۔ اس کی نوبت ہی نہ آئی کہ میں اپنی مرضی سے گھر کو خیر باد کہتا۔ میرے والد کے اوپر سماج کا اتنا دباؤ تھا کہ انھوں نے آج مجھے آر ایس ایس کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب میرے پاس دو ہی راستے تھے یا تو میں اسلام چھوڑ کر دوبارہ ہندو بن جاتا یا آر ایس ایس والوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔

یہ دو اور تین رمضان المبارک 1435ھ کی درمیانی شب کی بات ہے۔ راقم الحروف مدینہ منورہ میں محترم ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی صاحب کی لائبریری میں بیٹھا ان کی ایمان افروز گفتگو سن رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی دو تین ہفتے پہلے ایک عظیم الشان علمی کام کی تکمیل کے مراحل طے کیے تھے۔ رمضان المبارک کے شروع ہونے سے کوئی دو تین ہفتے پہلے مجھے ان کا فون آیا: مجاہد صاحب! الجامع الکامل مکمل ہو گئی ہے۔ آپ بس ایک سفر مدینہ منورہ کا کیجیے۔ خالصتاً حدیث کی خدمت کے نقطۂ نظر سے یہ سفر کیجیے۔ میں آپ کو اپنا شاہکار دکھانا چاہتا ہوں۔ محدثین نے حدیث کی خدمت کے لیے بے شمار سفر کیے ہیں۔ آپ اس سفر کو رحلۃ الحدیث کا نام دیں۔ آپ آ کر اس کام کو دیکھیں تو سہی، میں نے اس پر بارہ تیرہ سال لگا دیے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ڈاکٹر صاحب رمضان شریف بالکل قریب ہے رمضان شریف میں ان شاء اللہ آ جاؤں گا، مگر ان کا اصرار تھا کہ فوراً آؤں۔ میں نے اسی وقت سٹاف کے ایک ساتھی کو دفتر کے نیچے ٹریول ایجنسی میں بھیجا کہ جاؤ جو بھی مدینہ منورہ کی سیٹ ملتی ہے لے آؤ مگر معلوم ہوا کہ اگلے ہفتہ دس دن تک ساری سیٹیں بک ہیں۔ اس کے بعد میری مصروفیات تھیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ بس دو ہفتوں کی بات ہے۔ اگر سیٹ مل جاتی تو میں فوراً حاضر ہو جاتا۔ لیکن سیٹ نہیں ملی تو اب رمضان میں اللہ نے چاہا تو ضرور ملاقات ہو جائے گی۔ دو رمضان المبارک 1435ھ کی صبح نو بجے کی فلائٹ پر جگہ مل گئی اور میں مدینۃ الرسول ﷺ کی طرف عازم سفر تھا۔ ریاض سے مدینہ منورہ کا سفر ہمیشہ بڑا آسان لگتا ہے۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ میں آپ مدینہ

الرسول ﷺ پہنچ جاتے ہیں۔ عزیزی منیب کبریا نے حرم شریف کے قریب ہوٹل کی بکنگ کروا دی تھی۔ ائرپورٹ سے نکلا تو وہ سراپا انتظار تھے۔ حرم مدنی کی افطاری کا مزا اپنا ہی ہے۔ دنیا بھر کی افطاریاں ایک طرف حرم اور مدینہ کی افطاری ایک طرف ہے۔ شاہ و گدا ایک جیسی افطاری کرتے ہیں۔ رات جب میں تراویح کے بعد ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی صاحب کی لائبریری میں بیٹھا تو ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ میں محدثین کی خدمات کا تصور کر رہا تھا کہ انھوں نے کتنی محنتیں کیں اور کس طرح حدیث کی خدمت کی۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن کا نام کسی دور میں بانکے لال تھا۔ انڈیا کے مشہور شہر اعظم گڑھ کے گرد و نواح میں ایک گاؤں بلریا گنج کے برہمن گھرانے میں 1943ء میں جنم لیا۔ والد کا نام سکھ دیو رام تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی صاحب میری درخواست پر اپنے حالات زندگی بیان کر رہے تھے۔ اس وقت رات کے گیارہ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ ہماری مجلس میں ممبئ سے تعلق رکھنے والے مجیب الرحمٰن، عزیزی منیب کبریا اور ڈاکٹر صاحب کے بیٹے بھی موجود تھے۔

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی سے مغرب کی جانب کوئی پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک محلّہ کو حی الازہری کہا جاتا ہے۔ یہاں سے مسجد قبلتین کوئی آدھا پون کلومیٹر کے فاصلے پر ہوگی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کنواں بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں۔

یوں تو دنیا میں بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی داستان عزیمت سن اور پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے مگر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے اسلام قبول کر کے اسلام اور بطور خاص حدیث کی جو خدمت کی وہ ایک لمبی داستان ہے۔ راقم الحروف کے ان سے کم و بیش بیس سال سے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ مجھے کتنی ہی مرتبہ ان کے دولت کدہ پر ان کے ساتھ ملاقات اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا ہے۔ تمام صحیح احادیث کو ایک ہی کتاب میں جمع کرنے کا منصوبہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ اب جبکہ تیرہ چودہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہ منصوبہ مکمل ہو گیا ہے تو ڈاکٹر صاحب نہایت خوش اور مطمئن ہیں، ان کے چہرے سے بشاشت پھوٹتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت تک زندگی کی اکہتر بہاریں دیکھ چکے ہیں، مگر جس خدمت کا خواب انھوں نے مدتوں پہلے دیکھا تھا اس کی تعبیر سامنے آ چکی ہے۔ ان کے فرزند محترم ڈاکٹر اسعد عبد اللہ نے جب اس کے مسودہ کی بیس جلدیں بڑے قرینے سے صوفے پر جما کر رکھ دیں تو ہم نے بے اختیار



سمی تک

اللہ اکبر کہا۔ اس ملاقات میں راقم ان سے کرید کرید کر ان کی ذاتی زندگی کے حوالے سے سوالات کر رہا تھا اور اس منصوبے کی تفصیل پوچھ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھیں تو واقعی سلف صالحین کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ سفید لمبی داڑھی، روشن چہرہ، چمکدار آنکھیں، عربی لباس میں ملبوس با وقار شخصیت میرے سامنے تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کی اس کتاب کو مکمل کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ وہ بلاشبہ بہت ہی متواضع شخصیت اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ ہر وقت مسکراہٹ ان کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ نہایت مہمان نواز ہیں۔ ایک مدت گزری جب سعودی حکومت نے ان کو سعودی شہریت دے دی تھی۔ وہ عالم اسلام کی معروف مدینہ یونیورسٹی میں مدتوں تک حدیث کالج میں طلبہ کو حدیث پڑھاتے رہے۔ پھر وہ اس شعبہ کے رئیس مقرر ہوئے۔ آج کل وہ ہفتہ میں تین دن مسجد نبوی میں حدیث کے موضوع پر درس دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! کہاں ایک ہندو گھرانے میں جنم لینے والا اکلوتا لڑکا جس کی چار بہنیں تھیں جسے 1959ء میں ماہوار سو روپے صرف سینما دیکھنے اور مٹھائی کھانے کے لیے ملا کرتے تھے۔ سینما کا ٹکٹ انھیں مفت مل جاتا تھا کہ اس کا مالک ان کے والد کا دوست تھا۔ جس کے باپ کا کلکتہ میں کپڑے کا وسیع کاروبار تھا۔ وہ منی چینجر کا بھی کاروبار کرتا تھا۔ سنگاپور تک کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ والدین کا بے حد لاڈلا بہنوں کا راج دلارا تھا۔ مگر وہ والدین کا جتنا لاڈلا اتنا ہی ذہین و فطین تھا۔ اسے بچپن سے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ اللہ رب العزت جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو خود بخود اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ پھر حالات اس طرح کروٹ لیتے ہیں کہ وہ کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے بعد عصر حاضر میں حدیث کی جو خدمت ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے انجام دی ہے وہ شاید ہی کسی اور مؤلف نے انجام دی ہو۔ ڈاکٹر صاحب مجھے بتا رہے تھے کہ تیرہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آج میرا سر سجدہ شکر سے جھکتا جا رہا ہے۔ میری مدتوں سے خواہش تھی کہ میں اللہ کی توفیق سے وہ کام کر جاؤں جس کا خاکہ مدتوں پہلے میرے ذہن میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے احادیث صحیحہ کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کی توفیق دی ہے۔ اس لمبے عرصے میں اس لائبریری ہی میں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ مجھے بیرون ملک یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے لیے کتنی ہی مرتبہ بلایا گیا۔ مختلف اداروں، مدارس، کانفرنسوں میں شرکت کی دعوت دی گئی، مگر میں اس منصوبے کی وجہ سے انکار کرتا رہا۔ اس دوران بہت کم مدینہ سے باہر نکلا۔ میں سفر کرنا بھول گیا۔

ڈاکٹر صاحب کی لائبریری کوئی دس میٹر لمبی اور پانچ میٹر چوڑی ہوگی۔ ایک طرف ان کی چارپائی بچھی ہوئی ہے۔ کمرے کے اندر ہی چائے کا کارنر بھی بنا ہوا ہے۔ راقم نے کتنی مرتبہ یہاں کھانا کھایا اور چائے پی ہے۔ باہر کھلا اور کشادہ صحن ہے۔ ان کا گھر ملحقہ زمین پر بنا ہوا ہے۔ یہ جگہ کوئی چار سو مربع میٹر ہوگی۔ ان کی لائبریری کے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں ہیں۔ ایک طرف صوفے لگے ہوئے ہیں۔ خود ان کی کرسی اور ٹیبل لائبریری کے وسط میں ہے۔ وہ بھی مراجع کی کتب سے بھری ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اعظمی صاحب بتا رہے تھے:

میں نے 1959ء میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی اور میں شبلی کالج اعظم گڑھ میں زیر تعلیم تھا۔ یہ سرکاری کالج تھا۔ ہمارے اساتذہ میں اکثر ہندو تھے۔ مسلمان اساتذہ بہت ہی کم تھے۔ میں نے سکول اور کالج میں اردو زبان نہیں پڑھی تھی۔ تاہم ہندی اور انگلش خوب آتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے بار بار اصرار پر آخر اپنے اسلام لانے کی داستان سنا ہی دی۔ جب انھوں نے بتایا کہ وہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے برجستہ کہا: پھر یہ تو رمضان المبارک میں ہونے والا سنہرا واقعہ ہے۔ عصر حاضر میں بلاشبہ اسلام سب سے زیادہ مقبول مذہب ہے۔ یورپ میں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، مگر ان میں معدودے چند ہی ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی شاندار خدمت لی۔ ڈاکٹر صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: شبلی کالج میں پڑھائی کے دوران میرے ایک مسلمان دوست نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کی ایک چھوٹی سی کتاب ''دین حق'' پڑھنے کے لیے دی۔ یہ کتاب ہندی زبان میں ترجمہ شدہ تھی۔ اس کے پہلے صفحہ پر لکھا ہوا تھا: ﴿إِنَّ

الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلاَمُ﴾ ”اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔“ اس آیت نے مجھے چونکا کر رکھ دیا۔ ہندوازم میں ایک بات ہے کہ ہندو اپنے دھرم پر عمل کرے یا نہ کرے وہ اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو مگر وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ کوئی اور دھرم یا مذہب اس سے زیادہ سچا ہے یا ہو سکتا ہے۔ میں اس وقت ایک عام سا ہندو تھا۔ میں اپنی مذہبی کتاب رامائن کو کبھی کبھار پڑھتا تھا۔ جب قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ اللہ کے ہاں تو صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے تو مجھے کھوج لگ گئی۔ ہم ہندو تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہندو ازم کے علاوہ بھی کوئی سچا اور درست مذہب ہو سکتا ہے۔ میں کالج میں سنسکرت پڑھتا تھا۔ جس میں جھوٹ سچ کتنے ہی واقعات لکھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ہندو اساتذہ سے ہندوازم کے بارے میں تلخ سوالات کیے جن کے مجھے کبھی تسلی بخش جوابات نہ ملے۔ میں ان سے ہندوازم کے اصول پوچھتا تھا مگر ان کو بھی زیادہ معلومات نہ تھیں۔ میں پوچھتا کہ کیا رام کی جو کہانی ہم سنتے اور پڑھتے ہیں واقعی درست ہے۔ کیا واقعی رامائن مقدس کتاب ہے۔ ان سوالوں کے جوابات میرے کسی استاد کے پاس نہ تھے۔ پھر میں نے خود ہی اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ہندی زبان میں جو اسلامی کتب موجود تھیں ان کو پڑھ ڈالا۔ ہمارے ایک استاد عبدالحکیم تھے۔ کالج کی مسجد میں ان کا درس ہوتا تھا۔ میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ کیا میں آپ کے درس میں شریک ہوسکتا ہوں؟ کہنے لگے: ہاں! کیوں نہیں، تم نماز کے اوقات میں مسجد سے باہر بیٹھے رہا کرو۔ جب نماز ختم ہو جائے تو مسجد آؤ اور درس میں شریک ہو جایا کرو۔ جلد ہی اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن کو بدل دیا۔ میں اسلام میں دلچسپی لینے لگا۔ اسلام قبول کرنے میں واحد رکاوٹ میرے والدین تھے۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ انھوں نے میری تعلیم اور پرورش بڑے لاڈ اور پیار سے کی تھی۔ میں سوچتا کہ میرے اسلام لانے سے ان پر کیا گزرے گی؟ ایک دن محترم عبدالحکیم صاحب نے سورۂ عنکبوت کا درس دیا۔ ﴿الٓمّٓ أَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوا أَنْ يَّقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لاَ يُفْتَنُونَ﴾ ”الم، کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ کہہ دیں گے: ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟“ (العنکبوت 2,1:29) اور پھر والدین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے کہا: ”اگر وہ تمھیں شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی بات نہ ماننا، ہاں دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔“ (العنکبوت 8:29)

میں نے یہ درس سنا تو کہا کہ یہ تو میرے دل کی آواز ہے۔ مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ قرآن کریم نے میری مشکل حل کر دی تھی کہ والدین اگر مسلمان نہیں ہیں تو بھی آپ ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں۔ میں یہی چاہتا تھا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہوں۔ درس سے نکلا تو میری روح کو سکون مل چکا تھا۔ شام کو عبدالحکیم صاحب سے ملا اور کہا کہ بس اب مجھے کلمہ پڑھا دیں۔ میں مسلمان بننا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے: کیا تم نے خوب غور کر لیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی نے تو درس دیا ہے کہ کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ وہ ایمان لائیں اور انھیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے گا۔ اور پھر میں نے اسی شام کلمہ پڑھ لیا۔ میرا سوال تھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو اسلام کے تعارف سے لے کر اسے قبول کرنے تک کتنا وقت لگا ہوگا۔ جواب ملا کہ چھ ماہ تو لگ ہی گئے تھے۔ میں نے جیسے ہی اسلام قبول کیا ایک دھماکہ ہوا۔ ہندو معاشرے میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ایک بڑے گھرانے کا لڑکا اسلام قبول کر لے اور وہ خاموش رہیں۔ میں والدین اور بہنوں کا لاڈلا تھا۔ انھوں نے زیادہ مجبور نہ کیا مگر سماج کا بہت زیادہ دباؤ تھا۔ ہندوؤں کی نہایت متعصب تنظیم آر۔ایس۔ایس کا رویہ بڑا جارحانہ تھا۔ میں نے بھی اپنے والدین کو صاف بتا دیا تھا کہ جب تک آپ مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیں گے میں آپ کے پاس رہوں گا اور جس روز آپ نے اجازت نہ دی میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ جاؤں گا۔ میں نے اسلام سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا۔ میں اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ قرآن پاک کی آیات میری رہنمائی اور میرے ایمان میں اضافہ کر رہی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب بار بار آر ایس ایس کا حوالہ دے رہے تھے۔ آخر میں میں نے پوچھ ہی لیا: ڈاکٹر صاحب! یہ آر ایس ایس کیا بلا ہے؟ او مجاہد صاحب! آپ کو معلوم نہیں۔ وہ اپنے

مخصوص لب و لہجے میں بولے: یہ ہندوؤں کی نہایت متعصب جماعت ہے۔ ان کا مشن یہ ہے کہ جو بھی مسلمان ہیں ان کو پھر سے ہندو بننا چاہیے۔ ہندوستان میں جتنے بھی مسلمان ہیں وہ سب کے سب ایک زمانے میں ہندو تھے۔ ان کے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو آپ واپس ہندو مذہب قبول کر لیں یا وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ یہ جماعت نہایت بے رحم ہے۔ آر ایس ایس والوں نے میرے والد کو مجبور کر دیا کہ تم اپنے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دو ہم اسے سمجھائیں گے کہ یہ واپس ہندو مذہب میں آ جائے۔ نہ مانا تو ہم اس پر تشدد کریں گے اور اگر پھر بھی نہ مانا تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔ میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر ہر آزمائش کے لیے تیار کر لیا تھا۔ رمضان المبارک کا پہلا روزہ تھا۔ میری بہنوں نے خود میرے لیے سحری تیار کی۔ میں روزے سے تھا۔ دوپہر کے وقت میں نے اپنی والدہ کو گلے لگایا اور ان کو الوداعی سلام کیا۔ میری جیب میں آدھا روپیہ تھا، میں نے وہ اٹھنی ہوا میں اڑا دی۔ میں کرتا اور پاجامہ پہنے ہوئے خالی ہاتھ اپنے والد صاحب کے ہمراہ آر ایس ایس کے دفتر کی طرف چل دیا۔ میرے والد کی محبت اپنی جگہ مگر وہ سماج کا دباؤ برداشت نہ کر پائے تھے۔ اس سے پہلے گھر والوں نے بھی مجھ پر خاصا دباؤ ڈالا تھا کہ میں پیچھے پلٹ آؤں۔ مجاہد صاحب! ہمارے ایک چچا سادھو تھے۔ سادھو شاید آپ نہ جانتے ہوں۔ یہ شادی وغیرہ نہیں کرتے۔ ان کے پاس تلوار رکھی ہوتی تھی۔ ہم خود اسے مہینہ میں ایک بار صاف کرتے کہ اس سے مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ ان کی طرف سے بھی دباؤ تھا۔ ایک دن میں وضو کر رہا تھا تو انھوں نے دیکھ لیا، پوچھنے لگے: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا: وضو کر رہا ہوں تا کہ نماز پڑھوں۔ کہنے لگے: دیکھ رہے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے تلوار میری طرف بڑھائی مگر وہ خود بخود ان کے ہاتھ سے گر گئی۔ غالباً ان پر رعشہ طاری ہو گیا ہو گا۔ اللہ نے ان سے بھی بچا لیا۔

یہ حسن اتفاق تھا، اللہ کی ایسے ہی مرضی تھی کہ آر ایس ایس کے دفتر پہنچے تو وہ بند تھا۔ والد صاحب کہنے لگے: چلو پھر آئیں گے۔ میں نے والد صاحب سے کہا: آپ اپنے رشتہ داروں کے پاس چلے جائیں اور میں مسجد میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ نماز پڑھ کر پھر آ جاؤں گا۔ والد صاحب چلے گئے تو میں عبدالحکیم صاحب کے پاس چلا گیا۔ ان کو بتایا کہ میں اس طرح آیا تھا، دفتر بند ہے۔ اب آپ رہنمائی کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کہنے لگے: اب تم ہماری حفاظت میں آ گئے۔ اب نہیں جاؤ گے۔ سوال پیدا ہوا کہ اب مجھے کہاں چھپایا جائے۔ ہمارے ایک دوست تھے جن کا نام حمایت اللہ تھا۔ ان کا بڑا گھر اور حویلی تھی، یہ زمیندار تھے۔ ان کو بلایا کہ یہ اب ہمارے پاس آ گیا ہے تو جس کمرے میں جانوروں کا چارہ رکھا جاتا ہے اس میں میری رہائش رکھ دی۔ ایک ہفتہ کے لیے اس کمرے میں بند رہا۔ اس دوران ہر معروف جگہ اور مسلمان شخصیت سے پوچھا گیا، مجھے تلاش کیا گیا۔ پورے شہر کو بند کر دیا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد جب حالات پرسکون ہو گئے تو مجھے اس کمرے سے نکالا گیا۔ یہ لمبی داستان ہے کہ مجھے رکشہ میں چھپا کر لے جایا گیا۔ ریل گاڑی تیار تھی۔ اعظم گڑھ سے ٹرین رات کو شاہ گنج جاتی ہے۔ وہاں سے رام پور مرکز گیا۔ یہ جماعت اسلامی کا مرکز تھا۔ شاہ گنج دو گھنٹے میں پہنچ گیا۔ پھر رام پور چھ سات گھنٹے کا سفر تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد آر ایس ایس کے لوگ وہاں بھی آ گئے۔ پھر وہاں سے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بطور مدرس کام کرتا رہا۔ میرا نام ان دنوں امام الدین تھا۔ پورے علاقے کی ایجنسیوں کو یہی نام معلوم تھا۔ پھر میں نے اپنا نام تبدیل کر کے ضیاء الرحمٰن رکھ لیا۔ حکمت کا تقاضا تھا کہ میں دارالسلام عمر آباد میں پڑھنے کے لیے چلا گیا۔ یہ مدراس کے قریب ہے۔ یہ جگہ ہندوستان کے جنوب میں ہے۔ وہ شمالی ہند میں تلاش کرتے رہے۔ عمر آباد میں میں نے عربی زبان سیکھی۔ انگلش زبان مجھے پہلے ہی آتی تھی۔ میرے گھر والے اور آر ایس ایس والے تلاش کرتے رہے مگر میں ان سے ہزاروں میل دور تھا۔

دارالسلام عمر آباد میں دوران تعلیم میں نے بلوغ المرام کا مطالعہ کیا تو حدیث کے مطابق میں نے رفع الیدین شروع کر دیا۔ یہ مدرسہ دراصل اہل حدیثوں نے بنایا تھا مگر ان کی اولاد جماعت اسلامی میں چلی گئی اس لیے یہ ملا جلا مدرسہ تھا۔ آپ میں کوئی تعصب تھا نہ اب ہے۔ بلکہ میں آپ کو عدم تعصب کی ایک مثال دوں گا کہ جب میں نے سنت کے مطابق نماز پڑھنی شروع کر دی تو ایک دن ہمارے استاد نے مجھے بلوایا۔ وہ حنفی مسلک کے تھے۔ صرف اتنا کہا:

آپ نے نماز پڑھنے کا طریقہ کچھ تبدیل کر دیا ہے۔ کیا کسی نے کچھ تبلیغ کی ہے۔ میں نے کہا: نہیں مولانا! ایسا تو قطعاً نہیں۔ میں نے اس کتاب بلوغ المرام میں پڑھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا نماز پڑھنے کا طریقہ کیا تھا تو جس طرح وہاں لکھا تھا اسی کے مطابق نماز پڑھنی شروع کر دی۔ کہنے لگے: اچھا اچھا تو آپ اہل حدیث ہو گئے ہیں۔ ادھر میری یہ حالت کہ میں پہلی مرتبہ اہل حدیث کا لفظ سن رہا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ کہنے لگے: جو کتاب وسنت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ فقہ کو کم اہمیت دیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر تو میں پہلے دن سے اہل حدیث ہوا۔ کیونکہ میں کتاب وسنت پر ایمان لایا ہوں۔ کہنے لگے: ٹھیک ہے۔ ان کی وسعت قلبی دیکھیے کہ حنفی ہوتے ہوئے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ دارالسلام عمرآباد میں نو سالہ کورس تھا۔ میں نے وہ ساڑھے چار سال میں ختم کر لیا۔ میں ہر سال دو کلاسیں ختم کرتا تھا۔ پھر وہاں سے میرے اساتذہ نے شیخ عبدالعزیز بن باز کو خط لکھا۔ وہ ان دنوں مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ اس خط میں بتایا کہ ایک ایسا لڑکا ہے جو پہلے ہندو تھا اب مسلمان ہو گیا ہے، وہ دین پڑھنا چاہتا ہے اور مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کا خواہاں ہے۔ انھوں نے فوراً داخلے کے آرڈر جاری کیے۔ دہلی سے ویزا لگا اور میں مدینہ شریف آ گیا۔ یہاں سے گریجویشن کی اور پھر میرا داخلہ جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ہو گیا۔ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی کے صاحبزادے عبداللہ میونخ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ ڈاکٹر تقی الدین کے ایما پر انھوں نے میرا وہاں داخلہ کروا دیا تھا۔ مجھے وہاں ہفتہ میں ادیان پر تین لیکچر دینے تھے۔ اس کا جو معاوضہ ملنا تھا وہ میری وہاں کی فیس تھی۔ میں جرمنی جانے کی تیاری میں تھا کہ بعض اساتذہ کو علم ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ وہاں چلا گیا تو مسئلہ خراب ہو سکتا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے بات کی کیونکہ اس زمانے میں جامعہ ام القری میں کسی غیر ملکی کو داخلہ نہیں ملتا تھا۔ وزیر تعلیم کی سفارش سے وہاں داخلہ تو ہو گیا مگر کہنے لگے کہ ہم تمھیں وظیفہ نہیں دیں گے۔ کیونکہ ہمارے ہاں کوئی غیر ملکی ہے ہی نہیں، ہم تمھیں کیسے وظیفہ دے سکتے ہیں۔ مجھے پڑھائی سے غرض تھی۔ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ ایک لڑکے کو مکہ میں ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی۔ اس سے سو ریال ماہوار مل جاتے تھے۔ اس زمانے میں یہ مبلغ خاصا تھا۔ میرا آرام سے گزارا ہو جاتا تھا۔ اس دوران رابطہ العالم الاسلامی کے ذمہ داران کو میرے بارے میں علم ہوا تو انھوں نے پیش کش کی کہ ہم تمھیں تین سو ریال وظیفہ اس شرط پر دیں گے کہ تم نے یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد رابطہ میں نوکری کرنا ہو گی۔ میں نے یہ شرط قبول کر لی۔ وعدے کے مطابق جب میں نے ماسٹر ڈگری لی تو پھر رابطہ میں نوکری شروع کر دی۔ کچھ عرصہ میں وہاں نوکری کرتا رہا۔ اسی دوران جامعہ ازہر میں پی ایچ ڈی کے لیے درخواست دے دی جو منظور ہو گئی۔ وہاں سے میں نے امتیازی حیثیت سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ میری خواہش تھی کہ میں طلبہ کو پڑھاؤں۔ یہ میرا شوق تھا۔ میں نے پھر مدینہ یونیورسٹی میں درخواست پیش کی کہ مجھے پڑھانے کا موقع دیا جائے۔ درخواست منظور ہو گئی اور انھوں نے مجھے لیکچرر شپ کی پیش کش کر دی۔ ادھر رابطہ والے چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان دنوں شیخ محمد علی الحرکان رابطہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ میں ان کا مدیر مکتب تھا۔ سارے دفتر کا انتظام سنبھالا ہوا تھا۔ انھوں نے مجھے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں پیسہ کمانے کے لالچ میں وہاں جا رہا ہوں۔ راقم الحروف نے پوچھ ہی لیا: ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیں ان دنوں آپ کو کتنی تنخواہ ملتی تھی؟ کہنے لگے: مجھے آٹھ ہزار ریال تنخواہ مل رہی تھی۔ جو اس زمانے میں بڑی معقول تھی۔ معاملہ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر ان سے درخواست کی کہ مجھے فارغ کر دیں میں مدینہ یونیورسٹی جانا چاہتا ہوں، وہاں میری تقرری ہو گئی ہے، میرا میدان پڑھنا پڑھانا ہے۔ پوچھا: وہاں کتنی تنخواہ ملے گی؟ میں نے بتایا کہ یہاں سے کم، یعنی وہاں مجھے 6800 ریال ملیں گے۔ میں نے ساتھ ان کو آفر لیٹر دکھایا تو چونک پڑے۔ تو گویا تم پیسے کے لیے وہاں نہیں جا رہے۔ ان کا ذہن صاف ہو گیا، انھوں نے بڑا خوبصورت لیٹر لکھا۔ اس طرح میں مدینہ یونیورسٹی میں آ گیا۔ یہاں کا ماحول علمی تھا۔ بڑے بڑے مشائخ اور علمائے حدیث موجود تھے۔ ان سے بہت کچھ سیکھا۔ میں کلیۃ الحدیث میں پڑھاتا رہا۔ پھر ایک دن آیا کہ میں شعبہ کلیۃ الحدیث کا ڈائریکٹر بن گیا۔

اسی دوران مجھے سعودی حکومت نے سعودی شہریت سے نواز دیا۔ اب میں سعودی شہری ہوں اور سعودی پاسپورٹ میرے پاس ہے۔

مجھے مدینہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام بے شمار پروگراموں میں شرکت کے مواقع ملے۔ بیرون ملک یونیورسٹیوں میں جا کر لیکچر دیے۔ اسلام کی روشنی کو پھیلانے اور اسے عام کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسی دوران یہ گھر جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں اس کی تعمیر کی۔ میری شادی بھی ہوگئی۔ پاکستان کے معروف عالم دین شیخ عبدالغفار حسن کی قریبی عزیزہ میری اہلیہ بنتی ہیں۔ میرے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔

وہ ''الجامع الکامل'' کی کہانی تو درمیان ہی میں رہ گئی۔ یہ کہانی تو بڑی لمبی ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ جب میری اسلامی تعلیم شروع ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ اسلام کے دو مصادر ہیں: ایک تو اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے اور دوسرا پیارے نبی کریم ﷺ کی سنت۔ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو وہ الحمدللہ مسلمانوں کے پاس بغیر کسی تحریف کے موجود ہے۔ احادیث کی کتاب کے بارے میں میرا خیال تھا کہ ایک ایسی کتاب ہونی چاہیے جس میں صرف صحیح احادیث ہوں۔ جب میں مدینہ یونیورسٹی میں حدیث کا پروفیسر مقرر ہوا تو یونیورسٹی کے تحت مختلف ممالک میں تربیتی کورس کروائے جاتے تھے۔ مجھے وہاں جانے اور لیکچر دینے کے مواقع ملے۔ میرا تخصص حدیث اور مستشرقین کے اعتراضات تھا۔ لوگوں کو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں تھیں۔ سوال و جواب ہوتے: کیا قرآن کریم کی طرح حدیث کی بھی کوئی کتاب ہے جس میں موجود سب کی سب احادیث درست اور کامل ہوں؟ تمام تر صحیح احادیث کا مجموعہ ہو؟ میں نے اس منصوبے پر غور کرنا شروع کیا۔ بلاشبہ احادیث کے کتنے ہی مجموعے ہیں۔ تین لاکھ سندیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ پچاس ہزار رواۃ حدیث ہیں۔ ان تمام کو پرکھنا، صحیح اور غلط کو الگ الگ کرنا۔ سوچ تو آتی تھی، مگر ہمت نہ تھی۔ جب میں یونیورسٹی سے فارغ ہوا تو میں نے ایک دن حدیث پاک «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» لکھ کر اس منصوبے کا آغاز کیا اور پھر قلم چلتا رہا۔ آج میرے سامنے بیس مجلدات پر مشتمل الجامع الکامل پڑی ہوئی تھی، جس میں اللہ کے رسول ﷺ کی تمام صحیح احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی بات ختم ہوئی تو مجھے یاد آیا کہ آج سے تین سال پہلے عیدالفطر کے دوسرے دن کی بات ہے، محترم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے مجھے فون کیا: مجاہد صاحب! فوراً مدینہ منورہ پہنچ جائیں، ہم نے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی صاحب کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ہے اور ان کے خدمت حدیث کے منصوبے کا جائزہ لینا ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم اردو اور انگلش زبان میں اس کا ترجمہ کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم پوری رات ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کی لائبریری میں بیٹھے رہے۔ ہمارے ساتھ بنگلہ دیش کے امیر ترین فرد سلمان صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سفید عربی لباس میں ملبوس، سلمان صاحب ہمارے ساتھ ہی بڑے مزیدار ترکی کباب کھا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: آپ کا تعارف کیا ہے؟ کہنے لگے: میرا نام سلمان ہے۔ میں ایک ایئر لائن کا مالک ہوں۔ جب پاکستان بنا تو قائداعظم نے جو پہلی کابینہ بنائی میرے والد اس میں وزیر تھے۔ وہ بھی حدیث کے اس منصوبے میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔ ہم ساری رات اس منصوبے کی جزئیات پر گفتگو کرتے رہے، وقت کا پتا ہی نہ چلا اور قریب کی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی۔ ہم نے یہ طے کر رکھا تھا کہ ہر حالت میں فجر کی نماز ان شاء اللہ مسجد نبوی میں ادا کرنی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اس منصوبے میں بہت ہی زیادہ عمدہ مشورے دیے۔ ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ بلاشبہ حدیث کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اس کتاب کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ ہم لوگ الجامع الکامل کے مستقبل کے حوالے سے اپنے منصوبے کو مکمل کر کے اٹھے تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ منصوبہ مکمل ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل میں اس کے تراجم بھی شائع ہوں گے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ان جیسے کتنے ہی حدیث سے پیار کرنے والوں کی امیدیں بر آئیں گی۔

بلا شبہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں اسلام لانے والے ایک ہندو کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے فرامین کو دنیا تک پہنچانے کے لیے چن لیا ہے۔



مکافاتِ عمل

بیرون ملک ملازمت کرنے والوں کا ایک نازک مسئلہ

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

بے شمار لوگ روزگار کے سلسلے میں بیرونِ ملک جاتے ہیں اور مختلف قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بال بچوں سے اور خاندان سے دور رہنا اور موسموں کی شدت کا مقابلہ کرکے پیسہ کمانا جان جوکھوں کا کام ہے لیکن تارکین وطن کے لیے سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ انھیں اخلاقی اور جنسی اعتبار سے انتہائی ناگوار حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر وہ بیوی بچوں سے الگ تنہا رہ رہے ہوں تو ان کا ذہنی اور اعصابی نظام ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور وہ جذباتی طور پر ایسے مسائل سے دوچار ہوجاتے ہیں جو انھیں خطرناک بیماریوں میں مبتلا کردیتے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وطن میں ان کی بیویاں تنہائی کا شکار ہوکر ایسے حالات سے دوچار ہوتی ہیں جو خاندانوں کی تباہی پر منتج ہوتے ہیں۔ میرے سامنے اس طرح کئی اندوہناک مثالیں ہیں جنھیں عبرت کی خاطر قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ (نام سب کے تبدیل کردیے گئے ہیں)

① اکتوبر 1966ء میں ایم اے اُردو کا امتحان دینے کے فوراً بعد اللہ نے اپنے فضل سے مجھے روزگار عطا کردیا اور میں اسلامیہ کالج سمبڑیال (ضلع سیالکوٹ) میں لیکچرار ہوگیا۔ وہاں اکبر علی اور عبدالغفور نامی میرے دو شاگرد تھے جو ہیڈمرالہ کے قریب مشہور قصبے کلووال کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا کہ کلووال کا ایک نوجوان انگلینڈ چلا گیا اور وہاں جاکر اپنے خاندان، والدین اور بہن بھائیوں کو بالکل ہی بھول گیا۔ اس نے کراچی میں ایک مکان خریدا اور وہیں شادی کرلی۔ اس نے شادی میں خاندان کے کسی فرد کو شریک نہ کیا تھا۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ شادی کے جلد بعد یہ نوجوان واپس انگلینڈ چلا گیا۔ اور ڈیڑھ دو سال تک پاکستان نہ آسکا۔ حتیٰ کہ اس کے سسرالی خاندان میں سے کسی نے اُسے اطلاع دی کہ اس کی بیوی سخت بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے، اس لیے وہ جلد از جلد اس کی خبرگیری کے لیے پاکستان آجائے۔ چنانچہ وہ نوجوان پاکستان آگیا اور جب وہ اپنے گھر پہنچا تو محلے کے لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیوی واقعی ہسپتال میں ہے اور وہاں اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔

اس پر وہ نوجوان شرمندگی اور خوف کے ایسے احساس سے مغلوب ہوا کہ ہسپتال جانے کے بجائے سیدھا ریلوے اسٹیشن گیا اور ٹرین پر بیٹھ کر سیالکوٹ چلا گیا اور وہاں سے کلووال پہنچ گیا۔

وہ بہت ہی لمبے عرصے کے بعد اپنے خاندان کے لوگوں سے ملا تھا۔ سب ہی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لیکن وہ بہت ہی غمزدہ





اور افسردہ تھا اس لیے کسی سے بھی خوش دلی سے نہ ملا۔ مکمل خاموش اور گم سم، وہ کھانا پینا بھی بھول گیا تھا۔ بچپن کے دو ایک دوستوں نے اس سے کرید کرید کر پوچھا تو اس نے روتے ہوئے اپنی پریشانی کی وجہ بیان کردی۔ اسی حالت میں وہ ایک دن شام کو دریائے چناب کے کنارے سر جھکائے گہری سوچ میں چہل قدمی کررہا تھا کہ یکا یک زمین پر گر گیا اور دم توڑ گیا۔ برین ہیمبرج نے اُسے ذہنی دُکھوں سے نجات دے دی تھی۔

② اکتوبر 1974ء میں گورنمنٹ کالج شکرگڑھ سے تبادلے کے بعد میں گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ آگیا اور یہاں ایک نئے ماحول سے روشناس ہوا۔ بہت سے نئے حضرات سے تعارف ہوا جن میں پروفیسر حامد شیخ بھی تھے جو پہلی ملاقات ہی میں بہت شریف الطبع اور خوش اخلاق نظر آئے۔ دھیمے مزاج کے شرمیلے سے حامد شیخ مجھے بہت اچھے لگے اور ان سے جلد ہی بے تکلفی ہوگئی۔ اقتصادیات اُن کا مضمون تھا اور ان کی اضافی خوبی، جس سے میں بہت متاثر ہوا، یہ تھی کہ وہ معاشی مسائل پر باقاعدہ سوچتے تھے اور لکھتے بھی تھے۔

پتا چلا کہ حامد صاحب پی ایچ ڈی کے لیے امریکہ کی شکاگو یونیورسٹی میں گئے تھے لیکن ڈاکٹریٹ مکمل کیے بغیر واپس آگئے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ وہاں دو چوائس تھے: پی ایچ ڈی کرتا یا ایمان بچاتا، مجھے ایمان عزیز تھا، اس لیے ڈیڑھ سال کے بعد واپس آگیا۔ اس کے جلد بعد حامد صاحب نے سرکاری ملازمت سے بھی استعفا دے دیا اور ٹھیکیداری شروع کردی۔ مجھے ان کے اس فیصلے پر بہت تعجب ہوا اور افسوس بھی۔

اور اس کے بعد حامد صاحب کے حالات و معاملات میں زوال آتا چلا گیا۔ وہ شادی شدہ تھے، ان کے تین بچے تھے، لیکن انھوں نے بیگم کو طلاق دے دی اور بچوں کو بھی چھوڑ دیا۔ نکاحِ ثانی کے لیے انھوں نے مجھے بھی کہا، میں نے کوشش بھی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اور بگاڑ بڑھتا ہی چلا گیا۔ انھوں نے دوسری شادی کی، لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ کاروبار بھی ٹھپ ہوگیا۔ یوں لگتا ہے کہ کسی پراسرار نحوست نے ان کے سارے ماحول کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور ان کا کوئی کام سیدھا ہوتا ہی نہ تھا۔

جنوری 1980ء میں ٹرانسفر کے بعد میں لاہور آگیا۔ پتا چلا کہ حامد صاحب بیمار ہوگئے ہیں اور اپنی بہن کے پاس فیصل آباد چلے گئے ہیں۔ میں گاہے گاہے انھیں فون کرتا رہتا تھا اور گوجرانوالہ میں ان کے ایک گہرے دوست سے بھی ان کے حالات سے آگاہی ہوتی رہتی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد یہ جان کر بے حد تشویش ہوئی کہ حامد صاحب کو گلے میں کینسر ہوگیا ہے اور وہ سخت اذیت میں ہیں۔ اس صورتِ حال میں میں فون پر ان کی مزاج پرسی کرتا رہتا تھا۔ بات کرتے ہوئے وہ بڑی دقّت محسوس کرتے تھے اور اکثر رو پڑتے تھے۔ ایک دن روتے ہوئے کہنے لگے: فاروق صاحب! دراصل امریکہ میں رہتے ہوئے مجھ سے کچھ فاش قسم کی غلطیاں ہوگئی تھیں اور آج انھی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ دعا کریں اللہ مجھے معاف کردے اور جہنم کے عذاب سے بچالے۔ حامد صاحب بڑا لمبا عرصہ شدید بیماری میں مبتلا رہے اور اسی کیفیت میں 2008ء میں وفات پاگئے۔ وفات کے وقت وہ اپنی بہن کے پاس فیصل آباد میں مقیم تھے۔

حامد صاحب کے ایک قریبی، بے تکلف دوست نے بتایا کہ جب موصوف امریکہ میں تھے تو ان کی بیگم اور بچے گوجرانوالہ میں اپنے آبائی مکان میں مقیم تھے۔ انھیں پتا چلا کہ ان کی بیگم کے لچھن درست نہیں ہیں اور اس نے کسی غیر مرد سے تعلقات استوار کرلیے ہیں۔ ظاہر ہے جب حامد صاحب شکاگو میں گل چھرے اُڑا رہے تھے اور ایمان بچانے میں بری طرح ناکام ہورہے تھے، تو ان کی بیگم کیوں پیچھے رہتی۔ یہی مکافاتِ عمل ہے۔ چنانچہ وہ تعلیم اور تحقیق کا معاملہ ادھورا چھوڑ کر واپس آگئے، اور بیوی کو طلاق دے دی۔ معاملات میں بگاڑ آخری حد تک پہنچ گیا۔ پھر گھرانا برباد ہوگیا، ملازمت ختم ہوگئی، کاروبار بھی ٹھپ ہوگیا اور ایک انتہائی جان لیوا بیماری نے انھیں کئی سالوں تک اذیت میں مبتلا کیے رکھا اور آخرکار قبر میں پہنچا دیا۔

③ سلیم گورنمنٹ کالج شکرگڑھ میں میرا ایک شاگرد تھا۔ خوبصورت، خوش اخلاق، لائق اور پکا نمازی۔ اس لیے میرے دل میں اُس کی خاص قدر تھی۔

شکرگڑھ سے ایف ایس سی کرنے کے بعد سلیم ''مرے کالج'' سیالکوٹ چلا گیا اور وہاں سے بی ایس سی کرکے قسمت آزمائی کے لیے کراچی منتقل ہوگیا۔ وہاں گیا تو وہ ملازمت کی تلاش میں تھا، مگر ایک نوجوان لیڈی لیکچرار اُس



کی شخصیت کی رعنائی پر مرمٹی اور اس نے اصرار کرکے اس سے شادی کرلی۔ لیڈی لیکچرار کا وہاں اپنا مکان تھا، چنانچہ سلیم کو بیٹھے بٹھائے ایک ''کماؤ'' بیوی بھی مل گئی اور رہنے کے لیے مناسب مکان بھی۔

سلیم حالانکہ بی ایس سی تک تعلیم حاصل کرچکا تھا، مگر اس کے پاس کوئی پیشہ وارانہ ڈگری نہیں تھی، اس لیے کراچی میں اسے کوئی ملازمت نہ ملی۔ یوں بھی چونکہ بیوی کی تنخواہ مناسب تھی اور رہنے کے لیے مکان بھی، اس لیے وہ بھی سست ہوگیا اور اس کا سارا وقت فارغ رہنے اور عیش کرنے میں گزرتا رہا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چھ سات سال گزر گئے اور اس دوران میں اللہ نے اسے چار بچے عطا کردیے۔ دو بیٹے، دو بیٹیاں۔

اور پھر اس نے ''آزاد'' فضا میں زندگی گزارنے کی خاطر یورپ جانے کا فیصلہ کرلیا اور جرمنی چلا گیا۔ جرمنی میں وہ چار سال مقیم رہا۔ مگر واپس آیا، تو میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوتی چلی گئیں اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ دونوں کا اکٹھے رہنا محال ہوگیا اور بیوی نے باقاعدہ عدالت میں مقدمہ کرکے خلع حاصل کرلیا۔

میں 97-1996ء میں گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ، لاہور میں تھا جب ایک روز سلیم میرے پاس آیا۔ اس کی شخصیت کی رعنائی اور دلکشی میں چنداں فرق نہیں آیا تھا، مگر سنجیدگی اور اداسی نے اس کے چہرے کو کملا دیا تھا۔ اس نے اپنی ساری داستان سنائی اور یہ افسوس ناک خبر بھی دی کہ جرمنی سے جو کچھ کما کر لایا تھا، اس کا کچھ حصہ بیگم نے ہتھیا لیا اور جو کچھ بچا تھا، وہ لاہور میں ایک فراڈیے دوست نے اُچک لیا۔ اس نے کاروبار کا جھانسہ دیا تھا اور میں نے ساری رقم اس کے حوالے کردی تھی۔ چنانچہ سلیم نے رومانسی چہرے کے ساتھ بتایا کہ اب وہ بالکل دیوالیہ ہوچکا ہے اور اسی مقام پر ہے جہاں کراچی جانے سے پہلے تھا۔

میں نے پوچھا کہ اس نقصانِ عظیم کی وجہ کیا ہوسکتی ہے تو اُس نے صاف گوئی سے کہا کہ جرمنی میں اُس کا مذہبی کردار ختم ہوگیا تھا اور وہ وہاں کے ماحول کی آلودگیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔ ظاہر ہے پھر وہی کچھ ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ اُس پر اللہ کی ناراضگی کا کوڑا خوب برسا۔ بیوی ہاتھ سے گئی، بچوں سے محروم ہوا، گھر بیوی کا تھا اُس سے نکالا گیا اور جرمنی سے جو کچھ کما کر لایا تھا، وہ سب غارت ہوگیا۔ اب وہ گھر کا ہے نہ گھاٹ کا اور یہ کرشمہ ہے اس کی بداعمالیوں کا اور یورپ کا ترا کا۔

⑤ اجمل ذہین نوجوان تھا۔ میٹرک کے بعد اُس نے بجلی کا، اے سی کا اور فرج مرمت کرنے کا کام سیکھ لیا۔ قسمت نے یاوری کی اور اُسے کویت میں ملازمت مل گئی اور اسی بنا پر اُس کی شادی ایک امیر خاندان میں ایک خوبصورت لڑکی سے ہوگئی۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ غریب نوجوان بیرونِ ملک نوکری کرتے ہیں تو اُن کی ساری تگ و دو جائیداد بنانے میں صرف ہوتی ہے۔ پلاٹ خریدنا، بڑے مکان بنانا اور بیوی بچوں کو عیش و عشرت کے سامان فراہم کرنا اُن کا پسندیدہ مشغلہ بن جاتا ہے۔ اجمل نے بھی رہنے کے لیے مکان بنایا۔ دو تین پلاٹ خریدے لیکن اس کی زیادہ توجہ بیوی کو خوش رکھنے اور اس کے مطالبات پورے کرنے میں لگی رہتی تھی۔ وہ ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سال پاکستان نہیں آتا تھا، لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی بیوی خوش رہتی تھی۔ خوب سج دھج کے ساتھ زندگی گزارتی۔ خوبصورت تو تھی ہی، دولت اور عیش و عشرت نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیا تھا۔

لیکن یہ خبر پورے خاندان نے نہایت دکھ اور انتہائی صدمے کے ساتھ سنی کہ صرف چالیس سال کی عمر میں اجمل کی بیوی کینسر میں مبتلا ہوگئی۔ اور یہ مرض بڑھتا ہی چلا گیا۔ سب سے پہلے اس کا گلا متاثر ہوا اور پھر یہ تکلیف جسم میں پھیلتی ہی چلی گئی۔ اور جگر تک پہنچ گئی۔ شدید اذیت اُسے ہلکان کیے رکھتی اور پانی بھی پیتی تو اس کی جان پہ بن آتی۔ یہ جان لیوا عمل ایک دو نہیں پورے چار سال تک جاری رہا۔ بیگم اجمل کے لیے زندگی عذاب بن گئی تھی۔ وہ اکثر موت کی دعائیں کرتی، لیکن موت اُسے بھول ہی گئی تھی۔

پتا چلا کہ جب اجمل کویت میں تھا تو اُس کی بیوی نے کتنے ہی مردوں سے تعلق قائم کرلیا تھا، گھر میں عیش کا ہر سامان موجود تھا اور وہ خوبصورت اور جوان تھی اور شوہر بہت دور تھا پھر وہ یہ راستہ اختیار کیوں نہ کرتی۔ اور یہی راستہ اُسے جہنم کی طرف لے گیا۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اور آخرت کے حوالے سے بھی۔

⑥ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا، عمر یہی کوئی 35 سال ہوگی، لیکن نقاہت اور افسردگی کی گویا



تصویر بنا ہوا تھا۔ سر جھکائے، آنکھیں زمین میں گاڑھے بوجھل قدموں کے ساتھ اتنا آہستہ چل رہا تھا کہ مجھے ترس آنے لگا۔ وہ تھوڑے فاصلے پر میرے آگے تھا۔ میں جلد ہی اُس سے جاملا۔ اُسے سلام کیا اور پوچھا: کیا بات ہے آپ بیمار ہیں کیا؟ تو اُس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور جواب دیا: بیمار نہیں ہوں، بس حالات کے ہاتھوں پریشان ہوں۔

اُس نے بتایا: شادی شدہ ہوں۔ اللہ نے دو جڑواں بیٹے عطا کیے۔ بہت خوبصورت، بہت پیارے، مگر بیوی سے میرے تعلقات خراب ہوگئے، میں نے اُسے راضی کرنے کی پوری کوشش کی، اُس کا ہر مطالبہ مان لیا، مگر وہ کسی ڈھب پر نہیں آئی، گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے پاس چلی گئی اور پھر اس نے خلع کا مقدمہ دائر کردیا اور بدقسمتی یہ کہ عدالت نے اس کے حق میں ڈگری دے دی ہے۔ اس صورتِ حال نے میری زندگی جہنم بنادی ہے۔ نہ رات کو نیند آتی ہے نہ دن کو قرار ملتا ہے۔ ہر وقت شش و پنج میں پڑا رہتا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟

میں نے پوچھا: آپ نے کبھی جائزہ لیا ہے کہ یہ صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی ہے؟

جی ہاں، میں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا ہے۔ بدقسمتی سے شادی سے پہلے میں تقریباً تین سال کے لیے یورپ چلا گیا تھا۔ وہاں مختلف ملکوں میں ملازمتیں کرتا رہا اور سچی بات ہے کہ میں اپنے آپ کو وہاں کے ماحول سے بچا نہ سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ وہی نحوست میری زندگی کا حصہ بن گئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ کب تک اُس کے وبال میں پڑا رہوں گا۔

⑦ وہ دراز قد کے وجیہ و شکیل آدمی تھے۔ اللہ نے انھیں غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ اُن کی قابلیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے امریکہ سے انگلش میں پی ایچ ڈی کیا ہوا تھا اور وہیں مختلف یونیورسٹیوں سے منسلک ہوگئے تھے۔ پھر وہ کئی سال تک انگلینڈ کی معروف یونیورسٹیوں میں پڑھاتے رہے اور آخر میں سعودی عرب کی ریاض یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے تھے۔ لیکن گھریلو حوالے سے ڈاکٹر خان کو کبھی بھی سکون میسر نہ آیا۔ اُن کی شادی اعلیٰ تعلیم یافتہ امیر خاندان میں ہوئی۔ بیگم اُن کی ظاہری لحاظ سے بڑی خوبیوں کی مالک تھی اور ڈاکٹر خان اس حوالے سے خوش بھی بہت تھے۔

اللہ نے انھیں دو بیٹے بھی عطا کیے۔ کم و بیش بیس سال تک میاں بیوی میں مفاہمت اور یگانگت کی فضا بھی قائم رہی، لیکن پھر بدقسمتی سے دونوں میں بگاڑ پیدا ہوگیا اور غلط فہمیاں بڑھتی ہی چلی گئیں حتیٰ کہ پچاس سال کی عمر میں انھوں نے اپنی بیگم کو طلاق دے دی۔

اس وقت بڑے بیٹے کی عمر تقریباً پینتیس سال تھی، لیکن بدقسمتی سے یہ نفسیاتی مریض تھا اور اس کی شادی نہیں ہوسکی تھی۔ چھوٹے کی عمر تیس سال تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی ایک امیر خاندان میں شادی کی اور شادی کے ساتھ ہی بیٹے کو اچھی ملازمت مل گئی۔ باپ بیٹا دونوں خوش تھے۔

ڈاکٹر خان کے ساتھ ایک اور بدنصیبی یہ ہوئی کہ وسائل رکھنے کے باوجود وہ اب تک اپنا مکان نہیں بنا سکے تھے اور کرائے کے گھر میں رہتے تھے۔ چھوٹے بیٹے کی شادی ہوئی اور اُسے ملازمت مل گئی تو اس نے اپنی ماں سے میل ملاقات بحال کرلیا اور باپ کو اعتماد میں لیے بغیر ایک روز اُسے گھر میں لے آیا۔ اس موقع پر اُس نے ایک بڑا ہی دردناک غیر انسانی ڈرامہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب چند روز کے لیے کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ بیٹے نے اُن کی غیر موجودگی میں اُن کا سامان پیک کرایا اور جب وہ ایک روز واپس گھر آئے تو بیٹے نے اُن کا راستہ روک لیا ''ڈیڈ! اب آپ اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتے۔ یہاں اب میں رہوں گا، میری بیگم رہے گی اور میری ماں رہے گی۔ آپ کا سامان پیک ہوا پڑا ہے۔ واپس جائیے، مکان کا انتظام کیجیے اور ٹرک لاکر سامان لے جائیے۔''

یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ ڈاکٹر خان چکرا کے رہ گئے، انھیں زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔ لیکن پھر وہ سنبھلے اور سر کو تھام کر اپنی کار میں بیٹھ گئے اور کئی گھنٹوں کی جستجو کے بعد ایک مکان کرائے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن اس حادثے کے بعد وہ دل کے عارضے میں مبتلا ہوگئے جس کے نتیجے میں اُن کا بائی پاس اپریشن ہوا۔ اور اب وہ شوگر سے بھی دوچار ہوگئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نفسیاتی مریض، بڑے بیٹے کے ساتھ ایک مکان میں بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ زندگی اُن کے لیے وبال بن گئی ہے اور یہ صلہ ہے امریکہ اور انگلینڈ میں اُن کے ''آزادانہ'' طرزِ حیات کا۔

محمد ارسلان حجازی

میں نے پاکستان بنتے دیکھا

عظیم مبلغ مولانا یوسف انور کا تحریک پاکستان اور مشاہدات ہجرت پر حقیقت افروز انٹرویو



ضیائے حدیث مولانا صاحب! سب سے پہلے میں ماہنامہ ضیائے حدیث کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ آپ نے پیرانہ سالی، بیماری اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہمیں وقت دیا۔ ضیائے حدیث کے قارئین جاننا چاہیں گے کہ آپ نے تعلیمی مدارج کہاں سے طے کیے؟

یوسف انور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم ماہنامہ ضیائے حدیث اور دارالسلام الحمدللہ دن بہ دن ترقی، شہرت اور مقبولیت کی منزلیں طے کررہے اور اسلام کی خدمت کررہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ دارالسلام کو مزید ترقی عطا فرمائے اور ضیائے حدیث کی مقبولیت میں اضافہ فرمائے، آمین۔

میری جائے پیدائش ہندوستان کے مشہور قصبہ پٹی کی ہے۔ میرے والد کا نام حاجی عبدالرحمٰن تھا۔ وہ الحمدللہ بہت دین دار، ملنسار، علماء کے قدردان اور خوش اخلاق انسان تھے۔ پٹی میں ایک مدرسہ تھا جس میں ساتھ سکول کی تعلیم بھی تھی، دو کلاسیں میں نے اس سکول میں پڑھیں۔ اس وقت 6 سال سے کم عمر کے بچے کو سکول میں داخل نہیں کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ہم مستقل طور پر فیصل آباد شفٹ ہوگئے تو مڈل اور میٹرک پاکستان ماڈل ہائی سکول اور F A گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے کیا۔ اس کے بعد میں کالج کی تعلیم کا سلسلہ آگے بھی جاری رکھنا چاہتا تھا مگر والد مرحوم کا

اصرار تھا کہ میں دینی تعلیم حاصل کروں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے آبائی قصبہ پٹی میں چیچک کی وبا پھیل گئی تھی جس کا میں بھی شکار ہوگیا تھا۔ پٹی کے 18 بچے چیچک کا شکار ہوکر لقمہ اجل بن گئے تھے تب میرے والد مرحوم نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندگی دے تو میں اسے اللہ کے دین کے لیے وقف کردوں گا۔ یہی وجہ تھی کہ FA کے بعد جب میں نے BA میں داخلہ لینا چاہا تو والد صاحب نے منع کردیا۔ دینی تعلیم کے لیے پہلے میں جامعہ سلفیہ میں داخل ہوا۔ اس دور میں جامعہ سلفیہ آبادی سے کافی دور تھا، آنے جانے میں مشکل پیش آتی تھی اور مجھے ٹائیفائڈ بخار بھی ہوگیا تھا۔ لہٰذا بامر مجبوری میں کلیہ دارالقرآن والحدیث فیصل آباد میں داخل ہوگیا۔ یہاں مولانا حافظ عبدالغفار حسن، پروفیسر غلام احمد حریری، حافظ احمد اللہ اور مولانا عبداللہ ویروالوی، جو کلیہ دارالقرآن کے صدر مدرس اور اس کے بانی بھی تھے، کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کلیہ دارالقرآن سے میں 1961ء میں فارغ ہوا۔ اس کے بعد ایک سال میں نے جامعہ سلفیہ سے حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے بخاری شریف کی سماعت کی۔ جامعہ کے میرے ساتھیوں میں سے مولانا عبیداللہ عفیف، شیخ الحدیث مسجد قدس چوک دالگراں، حافظ عبدالغفار مدنی، مولانا عبدالخالق قدوسی شہید، مولانا یونس مجاہد مرحوم اور دیگر علماء ہیں۔

ضیائے حدیث بہت سے علمائے اہلحدیث کا تعلق پٹی سے ہے۔ اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اپنی کتابوں میں پٹی کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے پٹی کے بارے میں اور مزید اپنے خاندان کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔

یوسف انور بات یہ ہے کہ پٹی ایک بہت بڑا قصبہ تھا۔ پاکستان کے شہر سمندری جڑانوالہ سے بھی بڑا۔ پٹی تحصیل قصور ضلع لاہور میں واقع تھا۔ یہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی۔ صرف ایک محلّہ سکھوں کا تھا جس میں ہندو بھی خال خال تھے۔ جغرافیائی اور مسلم آبادی کی اکثریت کے اعتبار سے پٹی کو پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا لیکن انگریزوں نے جہاں مسلمانوں کے ساتھ دیگر معاملات میں ناانصافیاں کیں وہاں جغرافیائی تقسیم میں بھی مسلمانوں کے ساتھ سخت ناانصافیاں کی گئیں۔ بہت سے مسلم اکثریتی علاقے ہندوستان میں شامل کردیے گئے۔ جس کی ایک مثال قصبہ پٹی تھا۔ انگریزوں نے تحصیل قصور کے چار مسلم اکثریتی تھانے کھیم کرن، کڑیالہ، ولٹوا اور پٹی پاکستان سے کاٹ کر انڈیا کو دے دیے۔ کڑیالہ کے بارے میں آپ کو بتاتا چلوں یہ وہ تھانہ ہے جہاں کے شاہ محمد شریف رحمہ اللہ کڑیالوی رہنے والے تھے۔ یہ بہت نامی گرامی بزرگ اور انجمن اہلحدیث پنجاب کے امیر بھی تھے۔ پٹی قصور سے امرتسر جانے والی ریل گاڑی کی پٹری پر واقع تھا۔ یہاں کپڑے اور سناروں کی بڑی بڑی دکانیں تھیں۔

پٹی کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ یہاں مغل اکثریت میں تھے۔ یہ قصبہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک پرانا پٹی اور دوسرا حصہ منڈی کہلاتا تھا۔ پرانے پٹی میں ایک بہت خوبصورت مسجد تھی جو کھجور والی مسجد کے نام سے مشہور تھی۔ مغلیہ خاندان کے بہت بڑے رؤسا میاں دین محمد اور ان کے بھائی میاں محمد عالم اس مسجد کے بانی مبانی تھے۔ ہماری رہائش منڈی میں تھی۔ منڈی والی مسجد کے خطیب و امام سید عبدالرحمٰن شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے جو اپنے وقت کے بہت اللہ والے بزرگ تھے۔ ان کے بیٹے سید عبدالغفور شاہ صاحب کھڈیاں خاص میں رہ رہے ہیں اور مجھ سے چار پانچ سال بڑے ہیں۔ تقسیم کے بعد جب میاں دین محمد اور میاں محمد عالم پاکستان آئے تو لاہور پونچھ روڈ پر انھوں نے ایک مسجد بنائی جس کے خطیب پروفیسر ظفراللہ ہیں۔ پٹی کی کھجور والی مسجد کے مدرس حکیم حافظ محمد احمد پٹوی تھے۔ وہ بہت بڑے محدث، عالم، خطیب اور مناظر تھے۔ حکیم حافظ محمد احمد کے بیٹے حکیم حافظ محمد عبداللہ اور ان کی اولاد فیصل آباد میں مقیم ہیں۔ اسی طرح پٹی میں شیخ برادری اور انصاری برادری بھی تھی۔ انصاری برادری کے





مشہور عالم مولانا عبدالعظیم انصاری بھی پٹی کے تھے۔ جب ہندوستان تقسیم ہوا تو لاہور کو پاکستان میں شامل کیا گیا جس سے ہمیں اس بات کا یقین تھا کہ پٹی سمیت لاہور کے گردونواح کے علاقے بھی پاکستان میں شامل ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسلمان آبادیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمان پٹی میں پناہ گزیں ہونے لگے: بات یہ تھی کہ انگریز اور ہندوؤں نے اپنی بغلوں میں مسلمانوں کے لیے بہت سے خنجر چھپائے ہوئے تھے جنھیں وہ بوقت ضرورت نکالتے اور مسلمانوں کو نشانہ بناتے تھے۔ چنانچہ بالکل عین وقت پر انگریزوں نے پٹی کو ہندوستان میں شامل کرنے کا اعلان کردیا۔ یہ اعلان پٹی کے مسلمانوں اور وہاں موجود ستم رسیدہ پناہ گزینوں پر بجلی بن کر گرا۔ ادھر سکھوں کے حملے مسلمانوں پر بڑھتے جارہے تھے۔ پنجاب اور بلوچ رجمنٹ کے جوان اگرچہ اپنی جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کو بچا رہے تھے مگر ان فوجی جوانوں کی تعداد کم، وسائل محدود اور بلوائی زیادہ تھے اس لیے ہر جگہ پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ تقسیم کے موقع پر ہندوؤں نے سکھوں کو خوب استعمال کیا اور مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا گیا۔ پنجاب جسے پانچ دریاؤں کی سرزمین کہا جاتا ہے، اس کی دھرتی اور دریا مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوگئے تھے۔

گورنمنٹ کے بڑے بڑے ٹھیکیدار پٹی کے تھے۔ جامعہ سلفیہ کے پہلے ناظم تعمیرات میاں محمد عالم، جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں، بھی پٹی کے تھے۔ جامعہ سلفیہ کی بات شروع ہوئی ہے تو آپ کو بتاتا چلوں کہ اس عظیم جامعہ کے قیام کا تصور پٹی سے چلا تھا جبکہ وہاں جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں بھی آچکا تھا۔ قیام پاکستان سے ڈیڑھ دوسال پہلے تقریباً چار ایکڑ اراضی پر یہ ادارہ پٹی میں قائم ہوچکا تھا جو ہائی سکول، حفظ و ناظرہ اور درس نظامی پر مشتمل تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان ادارے کے قیام کے لیے کہیں سے بھی چندہ جمع نہیں کیا گیا تھا بلکہ پٹی کی جماعت نے خود ہی اس کی تعمیر اور اخراجات کا اہتمام و انتظام کیا تھا۔ ناظرہ قرآن اور سکول کی دو جماعتیں میں نے اسی ادارے سے پڑھی ہیں۔

ضیائے حدیث مولانا صاحب! آپ نے جامعہ سلفیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں اس مناسبت سے ایک سوال ہے، کیا یہ درست ہے کہ مولانا محمد علی قصوری کا خاندان چاہتا تھا کہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی بجائے قصور میں قائم کیا جائے؟ اگر یہ بات درست ہے تو فرمائیں کہ جماعت نے قصوری خاندان کی اس پیشکش سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟

یوسف انور آپ کی یہ بات درست ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مرکزی سطح پر ایک عظیم الشان جامعہ کی ضرورت محسوس کی گئی تو قصوری خاندان نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ یہ جامعہ قصور میں قائم کیا جائے۔ قصوری خاندان نے اس کے لیے بہت بڑے قطعہ اراضی اور مستقل بنیادوں پر وسائل کی فراہمی کی بھی پیشکش کی تھی لیکن بات یہ ہوئی کہ یہ علاقہ چونکہ بارڈر کے قریب تھا اس لیے یہ پیشکش قبول نہ کی گئی۔ اسی طرح مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے بھی پیشکش کی تھی کہ جامعہ سلفیہ



گوجرانوالہ میں قائم کیا جائے لیکن وہاں صورت حال یہ تھی کہ گوجرانوالہ شہر میں جماعت تھی مگر ضلع میں نہ تھی جس سے خوراک کا مسئلہ بن سکتا تھا۔ فیصل آباد پر نظر انتخاب اس لیے ٹھہری کہ یہاں ضلع بھر میں جماعت تھی۔ گندم کا مسئلہ باآسانی حل ہوسکتا تھا۔ اس لیے فیصل آباد میں جامعہ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے فیصل آباد کو پاکستان کا مانچسٹر بنادیا اور یہاں کے بڑے بڑے رؤساء اہلحدیث ہوگئے۔ اس طرح جماعت کے بزرگوں اور قائدین نے باہمی مشاورت سے فیصل آباد میں جامعہ کے قیام کا جو فیصلہ کیا وہ فیصلہ بعد میں درست ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ اکابرین کس قدر دور اندیش تھے اور ان کے فیصلے کس قدر باعث خیر و برکت ثابت ہوئے تھے۔

ضیائے حدیث آپ جامعہ سلفیہ کے تصور کی بات کررہے تھے؟

یوسف انور ہاں! ہندوستان میں اس وقت دارالعلوم دیوبند بہت بڑا ادارہ تھا۔ پٹی کی جماعت نے فیصلہ کیا کہ اس لیول کا ادارہ پٹی میں قائم کیا جائے۔ اس مقصد کی خاطر تقریباً چار ایکڑ اراضی مہیا کی گئی۔ جامعہ کا نام تجویز ہوا جو ابتدائی طور پر درس نظامی، حفظ و ناظرہ اور



ہائی سکول پر مشتمل تھا۔ اس کے افتتاح کے موقع پر ایک بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا قاسم بنارسی، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، حافظ عبداللہ محدث روپڑی، مولانا اسماعیل ذبیح، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا عبدالرحیم اشرف اور دیگر جید علماء اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ ان جید علماء کی آمد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے جید علماء واکابر پٹی کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ اس کانفرنس کا منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ مجھے یاد ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ہم اسٹیشن سے جلوس کی صورت میں لے کر آئے تھے۔ ان کا جلوس پوری پٹی میں پھرایا گیا تھا۔ الغرض پٹی کا وہ عظیم الشان تعلیمی منصوبہ تقسیم ہند کی نذر ہوگیا۔

قیام پاکستان کے بعد میاں محمد عالم، میاں دین محمد، حافظ احمد، سید عبدالرحمٰن شاہ اور دیگر بزرگ مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے پٹی میں جو تعلیمی سلسلہ شروع کیا وہ وہاں رہ گیا ہے اور ہمارا وہ خواب پورا نہیں ہوسکا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اسی لیول کا ایک ادارہ پاکستان میں بنایا جائے۔ الغرض پٹی کے ان بزرگوں کی تجویز پر جامعہ سلفیہ کے تعلیمی منصوبے کے خدوخال وضع کیے گئے اور ان میں رنگ بھرا گیا۔

ضیائے حدیث مولانا صاحب! تحریک پاکستان کے ایام آپ نے آنکھوں سے دیکھے ہیں، یہ بتائیں کہ اس وقت پاکستان کے قیام کے لیے لوگوں کے کیا جذبات واحساسات تھے؟

یوسف انور لوگوں کے جذبات یہ تھے کہ پاکستان کے نام سے ایک ایسی مملکت قائم کی جائے جہاں قرآن وسنت کی حکمرانی ہوگی، اسلام کا بول بالا ہوگا اور شریعت محمدی کا نفاذ ہوگا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ زبان زدعام تھا۔ بات یہ تھی کہ ہندوستان ایک بہت وسیع وعریض خطہ تھا۔ اس وسیع خطہ میں مسلمان بکھرے ہوئے اور منتشر تھے۔ ان کی قوت وطاقت زائل ہوچکی اور ان کا اتحاد پارہ پارہ تھا۔ بکھرے ہوئے مسلمانوں کو کلمہ طیبہ نے متحد کیا اور اس اتحاد کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا۔ لا الٰہ الا اللہ کے نعرہ کی وجہ سے جہاں عام لوگوں نے پاکستان کے قیام کے لیے دل و جان سے کوشش کی وہاں علماء نے بھی مملکت پاکستان کے لیے جانیں لڑادیں۔ خصوصاً علمائے اہلحدیث کا پاکستان کے قیام میں بہت بڑا کردار ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کے تمام خانوادے نہ صرف قیام پاکستان کی تائید وحمایت میں تھے بلکہ انھوں نے اس مملکت خداداد کے لیے جانی و مالی قربانیاں بھی دی ہیں، مثلاً: ثنائی، روپڑی، لکھوی، غزنوی یہ سب خانوادے تحریک پاکستان کے بے مثال رضا کار اور جاں نثار تھے۔

ضیائے حدیث لیکن مولانا داؤد غزنوی تو پاکستان کے مخالف تھے؟

یوسف انور بات یہ ہے کہ مولانا داؤد غزنوی پہلے کانگریس میں تھے۔ کانگریس کے مرکزی صدر مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ اس وقت پنجاب کانگریس کے صدر مولانا داؤد غزنوی تھے۔ مولانا داؤد غزنوی کے مولانا ابوالکلام کے ساتھ قریبی روابط اور ذاتی تعلقات تھے۔ اس کے باوجود جب قیام پاکستان کی تحریک چلی تو مولانا داؤد اپنے قریبی دوست، یعنی مولانا آزاد کی دوستی اور پنجاب کانگریس کی صدارت چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا داؤد غزنوی کی مسلم لیگ میں شمولیت سے مسلم لیگ پنجاب کی طاقت میں اضافہ ہوا تھا۔ اس لیے کہ مولانا غزنوی کی اپنی شخصیت ہی بہت بڑی تھی۔ آغا شورش کاشمیری نے اپنی کتاب ''مولانا ظفرعلی خان'' میں لکھا ہے کہ تحریک پاکستان کی مخالفت میں سکھ پیش پیش تھے۔ جب مسلمانوں نے اپنے لیے پاکستان کے نام سے علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا تو اس وقت ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کے سامنے کرپان لہراتے ہوئے کہا تھا: ''ہم خون کی ندیاں بہادیں گے مگر پاکستان نہیں بننے دیں گے۔'' تب مولانا داؤد غزنوی اور مولانا ظفرعلی خان قائداعظم کے ساتھ کلکتہ کے دورے پر تھے۔ اسی دوران جب ریڈیو پر ماسٹر تارا سنگھ کا پاکستان کے متعلق شرانگیز بیان نشر ہوا تو رات کو کلکتہ میں قائداعظم کی صدارت میں جلسہ تھا۔ اس جلسہ سے مولانا داؤد غزنوی نے ماسٹر تارا سنگھ کے بیان کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ''ماسٹر صاحب! آپ کہتے ہیں: ہم پاکستان نہیں بننے دیں گے ہم خون کی ندیاں بہادیں گے۔ میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ اسلام کی پوری تاریخ کے صفحات فتوحات، کامیابیوں کے تذکروں اور خون کی ندیوں سے رنگین ہیں۔ خون کی ندیوں کا بہنا یا بہانا اور معرکہ ہائے کارزار کا گرم ہونا ہمارے لیے کوئی نئی

بات نہیں ہے۔ مولانا کی اس بات پر جلسہ کی فضا فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی تھی۔ تب مولانا ظفر علی خان نے فی البدیہہ مولانا داؤد غزنوی کی شان میں درج ذیل شعر کہے تھے:

قائم ہے ان سے ملت بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی

23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قرارداد منظور ہوئی جس نے بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے شہرت حاصل کی مگر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی اس سے کہیں پہلے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو متحد و متفق کرنے، مسلم لیگ کو مضبوط و متحرک کرنے کے لیے متحرک و فعال تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 1920ء میں امرتسر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس سے پہلے جلیانوالہ باغ کا اندوہناک سانحہ پیش آچکا تھا اور اس کے اثرات ابھی موجود تھے۔ ان حالات میں امرتسر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ کرنا بڑا دل گردے کا کام تھا۔ یہ جلسہ حکیم اجمل خان کی صدارت میں ہوا تھا جس میں قائداعظم اور علامہ محمد اقبال جیسے عظیم راہنما بھی شریک ہوئے تھے۔ اس جلسے کی اہم بات یہ تھی کہ استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا ثناء اللہ تھے۔ یہاں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس وقت شیر پنجاب، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ کی عمر صرف 20 سال تھی۔ 20 سالہ نوجوان کو آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسے کی استقبالیہ کمیٹی کا صدر بنانا بلاشبہ مولانا ثناء اللہ کی صلاحیتوں کا اعتراف اور اعزاز تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ جہاں علمی لحاظ سے بہت آگے تھے وہاں وہ سیاسی اعتبار سے بھی بہت بلند مقام و مرتبہ رکھتے تھے۔ یہی وہ جلسہ ہے جس میں قائداعظم کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں صدر جلسہ حکیم اجمل خان نے جلسہ کے شاندار انتظامات کرنے پر مولانا ثناء اللہ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

اس کے بعد 29 تا 30 دسمبر 1930ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اکیسواں سالانہ اجلاس بمقام الٰہ آباد ہوا۔ یہ وہ تاریخی اجلاس ہے جس میں علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا تھا۔ اس اجلاس میں نہ صرف مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی موجود تھے بلکہ انھوں نے پاس کی جانے والی قراردادوں کی تائید بھی کی تھی۔ اس سے آگے چلتے جائیں جب کانگریس کی طرف سے پاکستان کی مخالفت ہوئی اور کانگریس علماء نے تصورِ پاکستان کو مذہبی اعتبار سے مشکوک اور متنازع بنانے کی کوشش کی تو مولانا میر سیالکوٹی نے کانگریسی علماء کا بھرپور علمی مقابلہ کیا اور ان کے سامنے 5 سوالات رکھتے ہوئے کہا: آپ میرے ان 5 سوالات کے جواب دے دیجیے تو میں مسلم لیگ چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہوجاؤں گا۔ لیکن اللہ کے فضل سے کسی بھی کانگریسی عالم سے ان سوالات کے جوابات نہ بن پڑے۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا تھا کہ جو مسلمان ہے وہ مسلم لیگ میں آئے۔ قیام پاکستان کے لیے روپڑی خاندان کی جانی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس خاندان کے 11 افراد ہجرت کے وقت شہید ہوئے تھے۔ سکھ حافظ عبدالقادر اور حافظ اسماعیل روپڑی کے خون کے بہت زیادہ پیاسے تھے۔ اس لیے کہ یہ دونوں بھائی تحریک پاکستان میں پیش پیش تھے، جلسوں جلوسوں کی قیادت کرتے تھے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ روپڑی خاندان کی قیام پاکستان کے لیے خدمات کا ایک اہم واقعہ جسے کرامت کہنا زیادہ مناسب ہوگا یہ ہے کہ حافظ عبداللہ محدث روپڑی کی امرتسر میں مسجد مبارک تھی۔ وہ اکثر مسجد کے حجرے میں ہی رہتے تھے۔ جب مسلمانوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوا تو سکھوں نے رات کے وقت مسجد کو آگ لگادی۔ سحری کے وقت جب لوگ نماز کے لیے آئے تو دیکھا مسجد خاکستر ہوچکی ہے۔ لوگ بہت فکرمند ہوئے کہ حافظ صاحب کا کیا بنا ہوگا؟ لیکن جب لوگوں نے دیکھا تو حافظ صاحب نہایت ہی اطمینان کے ساتھ حجرے میں نوافل پڑھ رہے تھے۔ پوری مسجد جل گئی مگر وہ حجرہ محفوظ رہا جہاں حضرت حافظ صاحب عبادت میں مصروف تھے۔ ضلع امرتسر مسلم لیگ کے صدر مولانا داؤد غزنوی کے چچازاد بھائی مولانا اسماعیل غزنوی تھے۔ دہلی بہت بڑا شہر اور متحدہ ہندوستان کا صدر مقام تھا، دہلی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری شیخ عطاء الرحمٰن جو جامعہ رحمانیہ کراچی کے بانی تھے، کے بیٹے شیخ حبیب الرحمٰن تھے۔ مولانا محمد جونا گڑھی بھی مسلم لیگ کی صفوں میں پیش پیش تھے۔

مسلم لیگ کے ایک جلسے میں قائداعظم نے انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ”پاکستان اسلام کی تجربہ گاہ ہوگی اور یہاں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ قائداعظم کی تقریر انگریزی میں تھی کسی کو



سمجھ آئی کسی کو نہ آئی۔ اس موقع پر مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے کہا: لوگو! قائداعظم کی پوری تقریر کا خلاصہ ہے: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ الا اللہ'' گویا یہ نعرہ بھی ہمارے اکابر نے دیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی نے جو قرارداد مقاصد پاس کی اس میں واضح کیا گیا تھا کہ پاکستان کا آئین قرآن وسنت پر مبنی ہوگا۔ 22 نکات پاکستان کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کا ایک اہم مرحلہ تھا۔ ان نکات کے محرک بھی مولانا داؤد غزنوی تھے۔ 22 نکات کی تیاری کے سلسلے میں کراچی میں علماء کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں مولانا داؤد غزنوی، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا عطاء اللہ حنیف اور مولانا حنیف ندوی بھی شامل ہوئے تھے۔

ضیائے حدیث مولانا صاحب! سفر ہجرت کے بارے میں بتائیں؟

یوسف انور میں اس بات کا ذکر پہلے کر چکا ہوں کہ پٹی کے بارے میں ہمیں یقین تھا کہ یہ پاکستان میں شامل ہوگا اس لیے ہم لوگ آخر وقت تک بے فکر رہے لیکن جب 14 اگست کو پٹی اور اس سے ملحقہ علاقے ہندوستان میں شامل کیے جانے کا اعلان ہوا تو 16 اگست کو میں، میری والدہ اور میرا چھوٹا بھائی عبداللہ ٹرین کے ذریعے قصور پہنچے۔ قصور میں میری خالہ بیاہی ہوئی تھی، اس لیے ہم نے قصور کو ترجیح دی۔ 17 اگست کو میرے والد خاندان کے باقی افراد کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ امرتسر سے قصور آخری ٹرین 18 اگست کو پہنچی تھی۔ اس کے بعد قصور کی طرف سے کوئی ٹرین پاکستان نہیں آئی۔ اس کے بعد قافلوں کے ذریعے لوگ پیدل آتے رہے ہیں۔ قصور میں مہاجرین کے بڑے بڑے کیمپ لگائے گئے تھے۔ جہاں لوگ کسمپرسی اور بے سروسامانی کی حالت میں رہ رہے تھے۔ میرے والد صاحب اور ان کے رفقا اگرچہ خود بھی مہاجر تھے اس کے باوجود وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی خدمت میں پیش پیش تھے۔ جتنا کھانا پکا سکتے تھے پکا کر مہاجرین میں تقسیم کرتے۔ بات سے بات نکلتی ہے کہ ہندوستان سے آنے والے مسلمانوں نے پہلی عید مہاجر کیمپوں میں منائی تھی۔ قصور کے مہاجر کیمپ میں مولانا عبداللہ ثانی رحمہ اللہ بھی رہ رہے تھے۔ آزادی کے بعد قصور کے گورنمنٹ ہائی سکول میں پہلی عید انھوں نے پڑھائی تھی۔ مولانا عبداللہ ثانی بہت بڑے شیریں بیان مقرر تھے۔ ان کا بھی تحریک پاکستان میں بہت بڑا کردار تھا۔ مولانا علی محمد صمصام کا ذکر کرنا میں بھول ہی گیا۔ مولانا عبداللہ ثانی، مولانا علی محمد صمصام، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا نور حسین گرجاکھی، حافظ عبدالحق صدیقی یہ سب علماء مولانا ثناء اللہ امرتسری کے دست و بازو تھے جو مناظروں میں ان کے ساتھ ہوتے اور تحریک پاکستان میں بھی ان علماء نے شیر پنجاب مولانا ثناءاللہ کی قیادت میں حصہ لیا۔

ضیائے حدیث سکھ مسلم فسادات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

یوسف انور یہ بات سب جانتے ہیں کہ متحدہ پنجاب میں سکھوں نے ہندوؤں کے اشارے پر مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا تھا لیکن جہاں تک پٹی کا تعلق ہے اس کے بارے میں میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہاں مسلمان بھاری اکثریت میں تھے، اس لیے یہاں صورت بالکل مختلف رہی۔ مزید یہ کہ پٹی کے گردونواح کے علاقے جیسے جنڈیالہ، نوشیرہ اور ویرووال کے مسلمان بھی پٹی میں جمع ہوگئے تھے۔ سکھ حملے تو کرتے تھے مگر چونکہ مسلمان اکثریت میں تھے اور انھوں نے پٹی کا دفاع بھی مضبوط کر رکھا تھا اس لیے سکھوں کے حملے کارگر نہ ہوئے۔ ہم نے 16 اگست کو پٹی کو چھوڑا تھا۔ اس وقت تک یہی صورت حال تھی۔ البتہ 16 اگست کے بعد جب مسلمانوں کی بڑی تعداد نے پٹی خالی کر دیا تو صورت حال بدل گئی، سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ مسلمان جو کسی مجبوری کی وجہ سے ابھی تک پٹی میں تھے ان کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا۔

ضیائے حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری کس طرح پاکستان پہنچے؟

یوسف انور مولانا ثناء اللہ واہگہ بارڈر کے ذریعے اور قافلوں کے ساتھ پیدل سفر کرتے ہوئے پاکستان پہنچے تھے۔ مولانا ثناءاللہ کا امرتسر میں بہت بڑا پریس اور ہزاروں کتابوں پر مشتمل کتب خانہ تھا جس میں بہت قیمتی اور نایاب کتابیں تھیں، سب کچھ ادھر ہی رہ گیا اور ہنگاموں کی نذر ہوگیا۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا وہ بھی شہید ہوگیا تھا۔ مولانا ثناء اللہ بہت دکھ، تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھا کر پاکستان پہنچے تھے۔ وہ پہلے گوجرانوالہ میں مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے پاس ٹھہرے، اس کے بعد وہ سرگودھا منتقل ہوگئے تھے۔ وہاں 1948ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مجھے یاد ہے مولانا ثناء اللہ کی وفات پر مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار زمیندار میں بڑی سرخی

لگائی تھی: ''آج دنیا سے حاضر جوابی کا خاتمہ ہوگیا'' اس کے ساتھ ذیلی سرخی تھی: ''فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری انتقال کر گئے۔''

ضیائے حدیث مولانا صاحب! آپ فرمارہے ہیں کہ تحریک پاکستان میں علمائے اہلحدیث کی بہت بڑی خدمات تھیں لیکن کیا وجہ ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد علماء کو حکومتی اور سیاسی سطح پر جو مقام ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملا؟

یوسف انور بات یہ ہے کہ جب پاکستان بنا اس وقت اہلحدیثوں کے جو رہنما سیاست میں سب سے زیادہ سرگرم اور فعال تھے وہ مولانا داؤد غزنوی تھے۔ وہ مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے بانی اور امیر بھی تھے۔ اس بات کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ پاکستان بننے سے پہلے مسلم لیگ میں بھی گروپنگ تھی۔ پنجاب میں ایک ممتاز دولتانہ کا گروپ تھا اور دوسرا افتخار حسین ممدوٹ کا گروپ تھا۔ مولانا داؤد غزنوی کا تعلق نواب ممدوٹ گروپ سے تھا۔ نواب ممدوٹ تھوڑا ہی عرصہ پنجاب کے وزیراعلیٰ رہے۔ جب انھوں نے وزارت چھوڑ دی اور دولتانہ پنجاب کے وزیراعلیٰ بن گئے تو اس کے بعد مولانا داؤد غزنوی سمجھ گئے کہ دولتانہ سیاسی طور پر انھیں نہیں چلنے دیں گے، لہٰذا مولانا داؤد نے سیاست کو خیرباد کہہ دیا۔ اس کے بعد سے ایک عرصہ تک اہلحدیث سیاست سے کنارہ کش رہے ہیں، یہاں تک کہ جب مولانا معین الدین کا دور آیا تو اس وقت جماعت نے سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب ہمارے بزرگوں نے مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تشکیل کی تو اس وقت پاکستان میں دیوبند، شیعہ یا بریلوی مکتب فکر کی کوئی آرگنائزڈ جماعت موجود نہ تھی۔

ضیائے حدیث پاکستان اس وقت جن مصائب و مسائل کا شکار ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

یوسف انور اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان بنانے کا جو اصل مقصد تھا اس پر ہمارے حکمران کاربند نہ رہے۔ آپ دیکھیں اس وقت ہمارے ملک میں جرائم کی بھرمار ہے، ہر طرف دہشت گردی، تخریب کاری اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ مظلوم کو انصاف نہیں ملتا اور ظالم کو سزا نہیں ملتی۔ آپ سعودی عرب دیکھ لیں وہاں بہت کم جرائم ہیں۔ ہمارے ملک میں لوگ کلاشنکوفیں اٹھائے سرعام پھر رہے ہیں جبکہ سعودی عرب میں ہم نے کسی کے پاس چاقو تک نہیں دیکھا۔ جن قائدین نے پاکستان بنایا وہ بہت مخلص اور اس پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ خطبہ الٰہ آباد میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد کراچی سٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر قائداعظم کی تقریر بھی پاکستان کے قیام کے مقاصد کو واضح کرتی ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے پاکستان بنایا ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ بعد میں جو لوگ پاکستان کے مقدر کے مالک بنے انھیں اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ پاکستان کس مقصد کی خاطر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ جیسے جیسے پاکستان اپنے مقاصد سے دور ہوتا چلا گیا ویسے ویسے مصائب کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ پاکستان کو مصائب سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کا مقدر اسلام سے وابستہ کردیا جائے۔

بقیہ: انگور

پروردگار عالم نے طبی اوصاف بھی رکھے ہیں۔ کیونکہ ان میں مختلف اقسام کے غذائی اجزا (جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے) کی شمولیت نے انھیں قبض، بدہضمی، تھکن، گردے کے امراض اور عضلات کے اکڑپن کے علاج کے لیے بڑا مفید بنادیا ہے۔ انگور کے رس میں ''FLAVONOIDS'' پائے جاتے ہیں جو بڑھاپے کے عمل کو سست کرتے ہیں۔ جھریاں بننے کا عمل سست ہوجاتا ہے۔ خون کی گردش رواں رہتی ہے اور تھکن کا احساس جسم سے کم ہوجاتا ہے۔ دمہ، ہڈیوں کی کمزوری، ہڈیوں کا بھربھراپن، عضلات کی کمزوری، دل کے دورہ، آدھے سر کا درد وغیرہ کے لیے انگور میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان امراض سے بچا جاسکے۔ بیماریوں کی ماں ''قبض'' سے بچاؤ کے لیے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ اس لیے کہ انگوروں میں سیلولوز، نامیاتی ایسڈز وغیرہ پائے جاتے ہیں جو بیکار مادوں کو معدہ اور آنتوں میں ٹھہرنے نہیں دیتے۔ یوں اجابت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی اور قبض کی شکایت ختم ہوجاتی ہے۔ تاہم پیٹ کی خرابی اور پیٹ درد میں انھیں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ انگوروں میں ایک کیمیائی مادہ ''PTEROSTIBENE'' بھی پایا جاتا ہے جو خون میں چکنائیوں کی مقدار خاص کر کولیسٹرول کو قابو میں رکھ کر دل کے دورے سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انگور کھانے سے یادداشت بہتر ہوتی ہے۔ آج کل رب العزت کی یہ نعمت میسر ہے۔ لہٰذا کوشش ہونی چاہیے کہ ان سے استفادہ ضرور کیا جائے۔



انگور

اللہ تعالیٰ کی گراں قدر نعمت!!

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتابوں میں کئی پھلوں کا ذکر کیا ہے۔ انگور بھی انھی میں سے ایک ہے۔ خود قرآنِ مجید میں پروردگار نے اس پھل کا ذکر کیا ہے اور ان کے گچھوں کا بیان کیا ہے۔ انگور واقعی دیدہ زیب اور ذائقے دار پھل ہے۔ اس کی بناوٹ بڑی دل آویز ہے اور دیکھنے والا انھیں دیکھتا چلا جاتا ہے۔

انگور (Grapes) کا پھل ایک بیل (Vine) پر لگتا ہے۔ سائنسی لحاظ سے اس پھل کو BERRY کہتے ہیں۔ یہ پھل گچھے کی صورت میں پتوں کے درمیان لٹکا ہوتا ہے۔ اس کا سائنسی نام ''VITIS'' ہے۔ جس کی پچاس انواع (Species) ہیں۔ ان میں سے ''VITIS VINIFERA'' سب سے زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ اس پھل کے خاندان کا نام ''VITIACEAE'' ہے۔ انگور نا صرف بحیثیت پھل مقبولِ عام ہیں بلکہ ان سے شراب، جوس، جام، جیلی، کشمش (RAISNS) سرکہ اور ان کے بیجوں سے تیل بھی نکالا جاتا ہے جسے گریپ سیڈ آئل (GRAPE SEED OIL) کہتے ہیں۔ یہ تیل ادویات اور پکانے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انگور کے بیجوں سے حاصل ہونے والا تیل کاسمیٹکس (COSMETICS) میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ جلد کو خوبصورت اور تروتازہ رکھتا ہے۔ جھریاں بنانے کے عمل کو سست کرتا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگوروں سے انسان کی دوستی بڑی پرانی ہے۔ خیال ہے کہ چھ ہزار تا آٹھ ہزار سال پہلے سے انسان انگوروں کو کاشت کر رہا ہے۔ انگوروں کو بطور پھل استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر انگور کے دانوں کی سطح میں یہ صفت رکھی ہے کہ ان پر YEAST نامی فنگس پائی جاتی ہے۔ یہ فنگس شراب بنانے کے عمل میں حصہ لیتی ہے۔ اس میں یہ صلاحیت رکھ کر شراب سے بچنے کا حکم مومنوں کے لیے ایک امتحان ہے۔

انگور کے ایک گچھے میں 15 سے لے کر 300 تک دانے ہوتے ہیں۔ اس کا دارومدار پھل کی قسم پر ہے۔ انگور ہلکے سبز، سفیدی مائل، کالے، گہرے نیلے، پیلے، سبز، نارنجی، گلابی اور جامنی رنگ کے ہوسکتے ہیں۔ جامنی رنگ کے انگوروں کا Purple رنگ ''ANTHOCYANINS'' نامی پگمنٹ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ''POLY PHENOLS'' اور دیگر پگمنٹ (Pigments) کی وجہ سے ان کے رنگوں میں اتنی انواع دیکھنے کو ملتی ہیں۔

انگوروں کو رب العزت نے غذائیت کا وسیع خزانہ عطا کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگور کا ہر دانہ طاقت کا سامان لیے ہوتا ہے۔ ان میں کاربوہائیڈریٹس اور خاص کر شوگر کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔ اسی لیے ذیابیطس کے مریضوں کو انگور کھانے سے روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غذائی ریشے، چکنائیاں اور پروٹین بھی اس پھل میں موجود ہوتے ہیں۔ وٹامن کے اعتبار سے یہ بڑا اہم پھل ہے۔ ایسے افراد جو وٹامن B کی کمی کا شکار ہوں ان کے لیے یہ عطیۂ خداوندی ہے۔ کیونکہ انگوروں میں وٹامن B1، B2، B3، B5، اور B6 بکثرت موجود ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ فولیٹ، کولین (Choline) وغیرہ بھی ان میں موجود ہوتے ہیں۔ نمکیات کی بھی کئی اقسام اس پھل میں موجود ہوتی ہیں۔ خاص کر کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، پوٹاشیم، زنک اور سوڈیم بھی اس پھل میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جنھیں ڈاکٹروں نے وٹامن C، وٹامن E یا وٹامن K کے کیپسول لکھ کر دیے ہوں وہ بھی انگوروں کی صورت میں قدرت کے ان کیپسولز سے اپنی کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ انگوروں میں فلورائیڈز (Flourides) بھی ہوتے ہیں جو دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے اہم ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے ادارے FAO کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 76000Km2 کے رقبے پر انگوروں کی کاشت کی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں انگوروں کی کل پیداوار میں سے 71 فیصد شراب کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے۔ 27 فیصد پیداوار بطور پھل کھایا جاتا ہے جبکہ 2 فیصد پیداوار بحیثیت خشک پھل (Dried Fruit) استعمال ہوتی ہے۔ اسی ادارے کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال انگوروں کی مانگ بڑھ رہی ہے۔

قدیم تہذیبوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں کے شاہی دسترخوانوں اور دربار وغیرہ میں اس پھل کو مہمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ خود بادشاہ وقت کی خوراک میں انگور کا بھی حصہ ہوا کرتا تھا۔ اس پھل کی یہ خوبی ہے کہ اسے ہر عمر اور ہر جنس کا فرد باآسانی کھا سکتا ہے۔ اسے کھانے کے لیے چھلکا اتارنا نہیں پڑتا۔ اب ایسی اقسام بھی میسر ہیں کہ ان میں بیج نہیں ہوتا لہٰذا کھانے والے کو بار بار منہ سے بیج نہیں نکالنے پڑتے۔ انگوروں کو خشک کر کے منقہ اور کشمش کی صورت میں ڈھال کر کھانے کی روایت بھی بڑی پرانی ہے۔ حکماء اور اطباء منقے اور کشمش کے کھانے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ متعدد امراض کے علاج میں ان کی اہمیت وطبّی استعمالات مسلمہ ہیں۔ دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی انگوروں، منقہ اور کشمش کا استعمال بحیثیت پھل، بطور اجزا ادویات اور مشروبات وغیرہ میں خوب استعمال کیا جاتا ہے۔ انگوروں کو جوس کی شکل میں پیک کر کے بھی مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ فروٹ چاٹ جیلی اور جام وغیرہ میں بھی انگوروں کو شامل کر کے ذائقے میں اضافہ اور مٹھاس میں بڑھوتری کی جاتی ہے تاکہ غذائی اشیاء کی افادیت اور ذائقے میں اضافہ کیا جا سکے۔

یوں تو وطنِ عزیز میں بھی انگور کاشت ہوتے ہیں۔ خود لوگوں نے بھی گھروں وغیرہ میں انگور کی بیل لگا رکھی ہوتی ہے۔ لیکن تجارتی اعتبار سے پاکستانی انگور عالمی منڈی سے بہت دور ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق دُنیا کے ٹاپ ممالک جو انگور کی پیداوار میں سب سے آگے ہیں درج ذیل ہیں: اسپین، فرانس، اٹلی، ترکی، امریکہ، ایران، رومانیہ، پرتگال، ارجنٹائن، چلی، آسٹریلیا اور آرمینیا شامل ہیں۔ لیکن 2012ء کے سال میں چین بڑی تیزی سے آگے آیا ہے۔ اب انگوروں کی پیداوار میں ٹاپ پانچ ممالک درج ذیل ہیں: چین، امریکہ، اٹلی، فرانس اور اسپین۔ ان کے بعد ترکی اور ایران کا نمبر آتا ہے۔ جبکہ پاکستان میں صرف تیرہ ہزار ایکڑ رقبے پر انگور کاشت ہوتے ہیں۔ اگر اسپین کو شمار کیا جائے تو یہاں 12000Km2 کے رقبہ پر انگور کاشت ہوتے ہیں۔ لہٰذا زرعی ملک ہونے کے ناطے اس میدان میں بھی کام کرنے اور آگے بڑھنے کے خاصے مواقع موجود ہیں۔

بغیر بیج (SEEDLESS) انگوروں کی وسیع مارکیٹ موجود ہے۔ جس میں ترکی کا انگور ''SULTANA'' بڑا مقبول ہے۔ امریکن اور یورپ والے سلطانہ انگور کو ''THOMPSON'' انگور کے نام سے پکارتے ہیں۔ سلطانہ انگور ہلکے سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بیضوی ہوتی ہے۔ ترکی میں خلافت عثمانیہ سے انگوروں کی کاشت اور تجارت کو اہم مقام حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی دنیا بھر میں ترکی کا شمار ٹاپ ٹین ممالک میں ہوتا ہے۔ سلطانہ انگور اور دیگر بغیر بیج کے انگور فروٹ کیک، بن، جوسز اور الکوحل بنانے میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ انگوروں میں

بقیہ صفحہ نمبر 56 پر



دورانِ نماز پیشاب کے قطرے

حافظ عبدالوحید سوہدروی

محترم حافظ عبدالوحید سوہدروی ﷾ سے اس ضرورت اور اہمیت کے باعث زیرِنظر مضمون کو دفعہ مضمون کی بات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میری طرف سے دوبارہ شائع کردو۔ تعمیل ارشاد میں فروری 2012ء میں چھپنے والا مضمون دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ لیکن آخر میں کچھ اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

تین چار سال قبل کی بات ہے کہ میں اپنے قیامِ مکہ مکرمہ کے دوران بعد از نمازِ مغرب بیت اللہ شریف میں شیخ عبدالرحمان العجلان ﷾ کے درس میں بیٹھا کرتا تھا۔ درس کے بعد وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک آدمی نے نماز کے دوران پیشاب کے مسلسل آنے والے قطروں کی بابت اور دوسرے نے ہسپتال میں زیرِعلاج مریض کی ناپاکی کی حالت میں نماز مؤخر کرنے کا سوال پوچھا۔

شریعت کا علم لوگوں کے لیے اللہ کی بے پناہ رحمت ہے۔ اور اس رحمت کا مستحق اللہ نے انبیاء کے بعد علماء کو ٹھہرایا ہے۔ شیخ صاحب کا جواب سن کر دل باغ باغ ہوگیا کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں پر دین کتنا آسان بنایا ہے۔ انھوں نے آیت کا یہ حصہ پڑھا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ پاک کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔'' (البقرۃ2: 286) یعنی اعمال کی بابت اس کی امکانی حد سے بڑھ کر بازپرس نہیں ہوگی۔ شیخ نے کہا: پیشاب کے مسلسل آنے والے قطروں کی بیماری کو سلسل البول کہتے ہیں جو کہ انسان کے اختیار میں نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو ہر نماز سے قبل طہارت، یعنی استنجا کر کے وضو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اطمینانِ قلب سے نماز ادا کرے۔ چاہے دورانِ نماز پیشاب کے قطرے جاری رہیں۔ اس سے ان شاء اللہ نماز

میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ایسے لوگوں کے لیے راقم کی تجویز یہ ہے کہ استنجا کے بعد کینچ یا انڈر ویئر استعمال کریں تاکہ اگلی نماز کے لیے شلوار کو پاک رکھا جا سکے وگرنہ ایک نماز تو اس میں ہو جائے گی۔ ہاں اگر انڈرویئر کو بھی ناپاک ہونے سے بچانا ہے تو اس میں کچھ ٹشو پیپر رکھے جا سکتے ہیں۔

شیخ عجلان نے مزید کہا: اگر کسی شخص کو بار بار ہوا خارج ہونے کی بیماری ہو تو وہ بھی ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے اور یکسو ہو کر نماز پڑھتا رہے، چاہے دورانِ نماز ہوا خارج ہوتی رہے۔ اس سے ان شاء اللہ نماز میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

امریکہ واپس آنے کے بعد میں نے دارالسلام کی مطبوعہ دو وولیم ''فتاویٰ اسلامیہ'' میں بھی شیخ صاحب کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتوے پائے۔ سبحان اللہ!

کتنی سہولت ہے اسلام میں۔ کئی لوگ انھی وجوہات کی بنا پر نماز کے تارک بن جاتے ہیں۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی طبیعت میں خلجان محسوس کرتے ہیں۔ کئی لوگ پیشاب کرنے کے بعد قطروں سے خلاصی پانے کے لیے کافی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ حتی کہ بیچارے باجماعت نماز سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ میں ڈاکٹر یا حکیم تو نہیں تاہم اپنی معلومات کی حد تک وضاحت کر دوں کہ پیشاب میں رکاوٹ اور مسلسل قطروں کی بیماری مردوں میں عموماً 50 سال کی عمر کے لگ بھگ شروع ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثانے کے نیچے پیشاب کی نالی کے ایک مقام پر اخروٹ نما ایک جگہ ہے جسے پراسٹیٹ کہتے ہیں۔ جیسا کہ یہ پراسٹیٹ حجم میں بڑھ جاتا ہے تو وہ پیشاب کی نالی کو دباتا ہے جس سے پیشاب کھل کر خارج نہیں ہوتا اور پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد قطرہ قطرہ کر کے خارج ہوتا رہتا ہے۔ جسے اردو اور عربی میں سلسل البول کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیشاب کے قطروں سے پرہیز نہ کرنے والے کو قبر کا عذاب ہو رہا تھا۔ لہٰذا ہر شخص کو قطروں کی ناپاکی سے بچنے کے لیے پوری کوشش کرنی چاہیے۔ ہاں اگر قطروں کا پیشاب کے بعد دیر تک جاری رہنا مستقل بیماری بن جائے تو اس بنا پر اپنی باجماعت نماز ضائع نہ ہونے دیجیے اور شیخ عجلان کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے اپنے آپ کو مشکل سے نکالیے۔ میں نے بھی بحمد اللہ شیخ کے فتویٰ کو اپنے لیے رحمت پایا۔

شیخ عبدالرحمان عجلان ﷾ نے ہسپتال میں داخل ہونے والے مریض کے متعلق فرمایا: اگر وہ پاک نہ بھی ہو، وضو نہ بھی کر سکتا ہو تو پھر بھی نماز چھوڑنے یا مؤخر کرنے کی اجازت نہیں۔ بسم اللہ پڑھ کر تیمّم کرے اور ہاتھ کے اشاروں سے ہی نماز پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ پاک سے اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ڈرتے رہو۔'' (التغابن 16:64)

یعنی حسبِ استطاعت اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے رہو۔ شیخ عجلان کے فتوے کی رو سے یہی طریقہ گھر پر رہنے والا صاحبِ فراش مریض بھی اختیار کرے۔ اس فتوے میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ سمجھتے ہوئے نمازیں چھوڑ دیتے ہیں کہ پاک ہونے کے بعد رہ جانے والی ساری نمازیں اکٹھی پڑھ لیں گے۔ یہ سوچ قطعی درست نہیں اور شریعت کے منشاء کے منافی ہے کیونکہ موت کی خبر کسی کو نہیں۔ جب کہ اللہ جل شانہ کا حکم بھی یہ ہے: ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ ''بلاشبہ مومنین پر نماز اوقات مقررہ میں پڑھنی فرض کی گئی ہے۔'' (النسآء 103:4)

ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ قرآنی نص کے اعتبار سے حالتِ جنابت میں اگر فرض غسل کے لیے پانی میسر نہ آئے تو تیمّم کر کے نماز اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم ہے۔

(سورۃ النسآء 43:4، سورۃ المآئدۃ 6:5)

اور صحابۂ کرام ﷺ کا عمل بھی اس کے مطابق احادیث میں مذکور ہے۔ سوچیے جب جنابت کی حالت میں پانی ملنے تک نماز مؤخر کرنے کی اجازت نہیں تو بیماری کی حالت والی ناپاکی جو کہ جنابت سے یقیناً کم تر ہے اس میں نماز مؤخر کرنے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے۔ بہت سے لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ مگر مسئلے کا علم ہو جانے کے بعد اصلاح ضروری ہے، لہٰذا جب آپ کسی صاحبِ فراش مریض کی عیادت کریں تو اسے ضرور نماز بروقت پڑھنے کی تاکید کریں چاہے کیسی بھی حالت ہو۔ اور اس طرح اپنے لیے اس علم کے پھیلانے کو صدقہ جاریہ بنائیں۔

پیشاب کی تکلیف پر بعض مریضوں کو ایک عرصہ تک پیشاب کی نالی لگانی پڑتی ہے۔ تو کیا

وہ نالی اترنے تک نمازیں چھوڑ دیں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ بیماری کے دوران نماز ادا کرنے کا لطف ہی کچھ اپنا ہے جسے صرف بیمار آدمی ہی محسوس کرسکتا ہے۔ جب وہ بیماری کی حالت میں دل کی گہرائی سے ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پکارتا ہے تو رب اور بندے کے مابین تعلقات میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے۔

اس بات کی وضاحت کے لیے میں اپنی مثال پیش کرتا ہوں۔ یہ دعا کرتے ہوئے کہ اللہ پاک مجھے ریا وسمعہ سے محفوظ رکھے اور اسے دوسروں کے لیے ترغیب کا باعث بنائے۔ 22 دسمبر 2011ء کو میری پراسٹیٹ سرجری ہوئی۔ میں آپریشن سے بچنے کے لیے چند سالوں سے پیشاب میں رکاوٹ دور کرنے والی ادویات استعمال کرتا آ رہا تھا جبکہ میرے مسلم معالج کا مشورہ تھا کہ سرجری کروالوں تاکہ ادویات سے چھٹکارہ مل جائے۔ چنانچہ سرجری کے بعد پانچ دنوں کے لیے مجھے پیشاب کی نالی لگ گئی اور اسی روز گھر آ گیا۔

شروع کے دو روز تو بہتر گزر گئے جبکہ تیسرے روز دورانِ نماز اٹھنا بیٹھنا تکلیف دہ امر بن گیا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی آسان نہ رہا۔ حالانکہ میں صرف فرض نماز ہی ادا کرتا تھا۔ لہٰذا میں نے ظہر کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی، یعنی رکوع وسجود اور تشہد بھی کھڑے کھڑے اشاروں میں ادا کیے۔ زندگی میں اس طرح نماز ادا کرنے کا پہلا موقع تھا۔ مگر اللہ پاک کی دی ہوئی رخصت کو استعمال میں لا کر دل بہت مطمئن تھا۔ جس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ میں نے نماز میں سورۂ یونس کی تلاوت شروع کی تو بتوفیقِ الٰہی اتنا لطف آیا کہ جب تک وہ مکمل نہ ہوئی نماز جاری رکھی۔ یہ سورت تقریباً پونے پارے کی ہے۔ اس انعام پر میں نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا تو اللہ پاک نے اپنے وعدے کے مطابق: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ''اگر شکر ادا کرو گے تو میں مزید انعامات سے نوازوں گا۔'' (ابراھیم14: 7) بیماری کے چوتھے روز جب میں نے اٹھنے بیٹھنے میں آسانی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز میں مجھے چار بڑی سورتیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمادی، یعنی پہلی رکعت میں سورۂ بنی اسرائیل، دوسری میں سورۂ کہف، تیسری میں سورۂ مریم اور چوتھی میں سورۂ طٰہٰ ختم کر دی۔ گویا چار رکعتوں میں پورے دو سپارے پڑھ لیے۔ الحمد للّٰہ الذي علی ھٰذہ النعمة.

بتوفیقہ یہ نماز باقاعدہ قیام، رکوع، سجود اور تشہد کی اصلی حالت میں ادا کی۔ تلاوت بھی تراویح کی طرح نہیں بلکہ بحمد اللہ مفہوم سمجھتے ہوئے کی اور دو گھنٹے سے اوپر وقت لگا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ توفیق ماسوائے اللہ کے اور کون دے سکتا ہے۔ میری عمر کوئی جوانوں والی بھی نہیں۔ حفاظ کرام کو یہ نماز دعوتِ فکر دیتی ہے کہ اگر ایک بیمار اور بوڑھا آدمی اس قدر قرآن نماز میں پڑھ سکتا ہے تو آپ جیسا نوجوان اور تندرست آدمی کیوں نہیں پڑھ سکتا۔ تلاوت کلام پاک کو صرف ماہ رمضان کے لیے نہ چھوڑیے۔ مترجم صحاح ستہ علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ کی تجویز کے مطابق روزانہ دو پارے پڑھنے کی عادت ڈالیے۔ سہولت کی خاطر میں کہتا ہوں کہ ضروری نہیں ایک جگہ بیٹھ کر ہی دو پارے ختم کیے جائیں بلکہ وضو کرتے، چہل قدمی کرتے، سائیکل چلاتے، سواری پر بیٹھ کر نمازوں میں اور تہجد میں بالترتیب پڑھتے رہیے۔

کھانا کھاتے ہوئے اگر کوئی باتیں کرنے والا نہ ہو تو ذہن میں پڑھ سکتے ہیں۔ اس ترکیب پر عمل کرنے سے دو پارے ختم ہونے کا پتا بھی نہیں چلے گا اور ان شاء اللہ رمضان کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآنِ پاک حفظ کرنے میں شیطان کتنی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ مگر جب وہ اس میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کوئی حافظ باقاعدگی سے روزانہ تلاوت نہ کرنے پائے۔ چنانچہ شیطان معمولی مصروفیات کو بھی حافظ کے ذہن میں بہت بڑا کر کے دکھاتا ہے اور قرآن پڑھنا اس پر بوجھ بن جاتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ایک حافظ اللہ پاک کے عطا کردہ وقت کو دیگر کاموں میں صرف کر دے گا مگر قرآن پر نہیں۔ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے، خدا سب کو محفوظ رکھے۔ آمین!

بیماری کے دوران بعض حضرات نماز کے فرائض سنن اور نوافل کی لمبی گنتی کی وجہ سے بھی نماز پڑھنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ انھیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز صرف فرضوں کی بابت سوال کرنا ہے۔ جس کے فرضوں میں کمی ہوئی تو اسے سنت ونوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اب ایک فرض کے بدلے کتنی سنتیں یا نفل درکار ہوں گے، ہمیں معلوم نہیں۔ ہمیں جان بوجھ کر کسی بھی سنت سے بے رغبتی نہیں کرنی چاہیے۔

مگر ہمارے ہاں نماز کی سنتوں اور نفلوں کو بھی فرض کی طرح ضروری سمجھا جاتا ہے کہ شاید ان کے چھوڑ دینے سے نماز مکمل نہیں ہوتی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ مریض آدمی صرف فرض ہی پڑھ لے تو کافی ہے۔ البتہ فجر کی دو سنتیں اور کم از کم ایک وتر ضرور پڑھے۔ لیکن فرض کسی حالت میں بھی نہ چھوڑے۔

ہمارے ہفتہ وار اسلامک سکول کے پرنسپل ڈاکٹر شاہد شیخ بتاتے ہیں کہ وہ بچپن میں عشاء کی نماز 17 رکعتیں پڑھنے کے ڈر سے عشاء سے پہلے ہی جھوٹ موٹ سونے کے انداز میں بستر پر لیٹے رہتے تھے۔ اب بتائیے! ہے کہ نہیں نماز سے محروم رکھنے والی بات، لہٰذا بچوں کو پہلے صرف فرض پڑھنے کی عادت ڈالیے۔ بڑے ہو کر آہستہ آہستہ سنتوں اور نفلوں کی بھی اللہ تعالیٰ سے توفیق مل جائے گی۔

ہمارے شہر میں رہنے والے لاہور کے ایک ریٹائرڈ میجر صاحب جو ماشاء اللہ بہت نیک اور دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والے ہیں، مجھے ایک روز کہنے لگے کہ حافظ صاحب! ہماری نماز کے فرضوں، سنتوں اور نفلوں کا معاملہ کچھ اس طرح لگتا ہے جس طرح کہ ہم آرمی والے کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ جب کوئی میجر اپنے ماتحت کیپٹن کو حکم دیتا ہے کہ کل صبح جوانوں کو معائنہ کے لیے سات بجے سٹینڈ بائی، یعنی تیار رکھے، تو کیپٹن اپنے ماتحت لیفٹیننٹ کو حکم دیتے ہوئے اپنی طرف سے پندرہ منٹ کی احتیاط شامل کر کے کہتا ہے کہ کل صبح جوانوں کو پونے سات بجے تیار رکھے۔ اسی طرح لیفٹیننٹ اپنے ماتحت صوبیدار میجر کو پندرہ منٹ اور کم کر کے اور صوبیدار میجر اپنے ماتحت صوبیدار کو مزید پندرہ منٹ کم کر کے صبح سوا چھ بجے جوانوں کو تیار رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ صوبیدار بھی اپنی طرف سے پندرہ منٹ کی احتیاط کرتے ہوئے جوانوں کو پورے چھ بجے صبح تیار کھڑا کر دیتا ہے جبکہ میجر صاحب نے سات بجے جوانوں کا معائنہ کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک اپنی طرف سے پندرہ منٹ کی احتیاط شامل کرتا جاتا ہے کہ اس کے صاحب کے دیے ہوئے وقت میں کہیں تاخیر نہ ہو جائے۔ میجر راشد صاحب کی بات بڑی معقول تھی۔ جب غور کیا تو نماز کا مسئلہ بھی کچھ اسی طرح کا لگا۔

ہمارے بھائی جان مولانا حکیم حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ، جو ایڈیٹر ''ضیائے حدیث'' کے دادا محترم تھے، فرمایا کرتے تھے: چونکہ لوگوں کی اکثریت تہجد کی نماز پڑھنے سے محروم رہتی ہے تو بزرگوں نے تہجد کی آٹھ رکعات کو نوافل کے طور پر نمازوں کے ساتھ شامل کر دیا کہ لوگ اس کے اجر سے محروم نہ رہیں۔

الغرض! جب کسی کو بیماری یا کسی اور مجبوری کی بنا پر مکمل نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے تو صرف فرض ہی پڑھ کر اظہار بندگی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جائے۔ یاد رکھیے! اللہ پاک کے ہاں تعداد کی بجائے معیار کی زیادہ قدر و قیمت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ملحوظہ:

زیر مطالعہ مسئلے میں ایک تو وہ عمومی دلائل ہیں جو شیخ ابن عجلان نے ذکر کیے اور حافظ عبدالوحید سوہدروی صاحب نے ان کا تذکرہ کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک خاص دلیل بھی ہے اور وہ یہ ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو استحاضے کی تکلیف تھی (ایام مخصوصہ کے علاوہ بھی خون جاری رہتا تھا) تو انھوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے استحاضے کی تکلیف لاحق ہے، لہٰذا میں پاک نہیں ہو پاتی تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ ایک رگ (کی وجہ سے ہے) یہ حیض نہیں ہے۔ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو پھر جب حیض ختم ہو جائے تو وہ خون دھو لیا کرو اور پھر ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 228)

استحاضہ کے لیے غسل کا استحبابی حکم بھی ہے کہ وہ دو نمازوں کو جمع کر کے ان کے لیے ایک ہی غسل کر لے۔ کئی صحابیات ہر نماز کے لیے اپنے طور پر علیحدہ غسل بھی کرتی تھیں۔ (دیکھیے سنن أبي داود، حديث: 288-293)

بہرحال سلسل البول، بے قابو ہوا کا اخراج، کثرتِ مذی اور پیشاب کی نالی ان تمام امور میں فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا والی حدیث راہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ راقم نے دلیل دینے کے ساتھ ساتھ استحاضہ میں مبتلا خواتین کا مسئلہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ سلسل البول اور استحاضہ ایک ہی نوعیت کے عذر ہیں۔ (ایڈیٹر)



دنیا و آخرت میں امن کے اسباب و عوامل

حافظ ذیشان ایوب شاکر

ہر شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں امن سے رہے اور آخرت میں بھی اس کو خوف نہ ہو مگر قیام امن کے اسباب سے گریزاں رہتا ہے۔ ذیل میں ایسے ہی کئی اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے:

① توحید: فرمانِ الٰہی: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انھی کے لیے امن و سلامتی ہے، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (الأنعام 82:6)

مذکورہ آیت کریمہ میں ''ظلم'' سے مراد شرک ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت کریمہ اس بات کی زبردست تائید کرتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ ''بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' (لقمان 13:31)

رہنمائی ملی کہ توحید سے ناطہ جوڑ کر اور شرک سے منہ موڑ کر ملک میں امن و قرار کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔

② دعا: قرآنِ مجید میں ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ ''جب سیدنا ابراہیم نے عرض کیا: اے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنادے۔'' (البقرۃ 126:2)

ایک دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ ''جب سیدنا ابراہیم نے التجا کی: اے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے۔'' (ابراھیم 35:14)

③ ایمان و اعمالِ صالحہ: ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾ ''تمھارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمھیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کردیں ہاں مگر جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے واسطے ان کے اعمال کا دہرا اجر ہے اور وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے۔'' (سبا 37:34)

④ عبادتِ الٰہی: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَّعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا﴾ ''ضرور (اللہ تعالیٰ) ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی شئے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔'' (النور 55:24)

⑤ ذکرِ الٰہی: اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔'' (الرعد 28:13)

⑥ فرمانبرداری: اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَo اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ ''اے میرے بندو! آج تمھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمزدہ ہوگے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار بن کر رہے۔'' (الزخرف 43:68,69)

⑦ ہدایت کی پیروی: ارشاد رب العالمین ہے: ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''میری ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں۔'' (البقرة 2:38)

یہاں ہدایت سے مراد قرآن وحدیث ہیں۔

⑧ یوم آخرت پر ایمان: فرمان الٰہی ہے: ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''جو اللہ رب العزت اور یوم آخرت پر ایمان رکھے، اعمال صالحہ کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرة 2:62)

⑨ اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنا اور محسن بننا: ارشاد الٰہی ہے: ﴿بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''ہاں جو کوئی اللہ کے لیے سر تسلیم خم کردے اور وہ اچھے کام کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے اور انھیں کوئی خوف و غم لاحق نہیں ہوگا۔'' (البقرة 2:112)

سر تسلیم خم کرنا: اس کا مطلب یہ ہے ہر حالت میں اللہ عزوجل کی بات ماننا اور اطاعت کرنا، محسن بننا: محسن کے چار معانی ہیں۔

① نیکیاں کرنے والا۔

② اخلاص کے ساتھ اللہ عزوجل کی عبادت کرنے والا۔

③ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا۔

④ ہر نیک عمل کو خشوع وخضوع اور سنت نبوی کے مطابق کرنے والا کثرت کے بجائے اس میں ''حسن'' کا خیال رکھتے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف حاشیہ الزمر آیت نمبر 34)

⑩ مال خرچ کرنا اور احسان نہ جتلانا: اللہ رحیم وعظیم کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔'' (البقرة 2:262)

⑪ دن رات مال خرچ کرنا: مالک کائنات کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''جو لوگ اپنے مال رات دن پوشیدہ واعلانیہ خرچ کرتے ہیں ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔'' (البقرة 2:274)

⑫ نماز وزکوٰۃ ادا کرنا: خالق جہاں کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''بلاشبہ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے، نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ ہی کوئی غم۔'' (البقرة 2:277)

⑬ شہادت: اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَo فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انھیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں اس پر کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (آل عمران 3:169-170)

⑭ تقویٰ اور اصلاح: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''جو شخص پرہیزگار بنے اور اصلاح کرے سو ان لوگوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ ہی غم۔'' (الأعراف 7:35)

⑮ نیکی کرنے والا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ ''جو لوگ نیکیاں لائیں گے انھیں اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔'' (النمل 27:89)

طارق جاوید عارفی

کافر بچے کی مومنہ ماں

سلسلہ ''قرآن میں مذکور ماؤں کا تذکرہ''

ضیائے حدیث کے جون کے شمارے سے ''قرآن میں مذکور ماؤں کا تذکرہ'' کے سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس حصے میں دو قرآنی ماؤں والدۂ سیدنا یوسف اور موسیٰ علیہما السلام کا ذکر تھا۔ زیرِ نظر مضمون میں قرآن میں مذکور ایک تیسری ماں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک کافر بچے کی صاحب ایمان ماں ہے۔ قرآن میں یہ قصہ سورۂ کہف میں مذکور ہے۔ اس قصے کی بعض جزئیات کی وضاحت صحیح احادیث میں بھی منقول ہے۔ ہم سب سے پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس واقعے کی تفصیل ذکر کریں گے، اس کے بعد اس سے ماخوذ دروس اور احکام و مسائل کا ذکر کریں گے۔

پندرہویں پارے کے آخر اور سولہویں پارے کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ ذکر کیا ہے۔ ہمارا مضمون اسی قصے کے ایک گوشے سے متعلق ہے۔ اس قصے کا پس منظر یوں ہے کہ ایک مجلس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ''لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''میں ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ انداز پسند نہ آیا، اس لیے کہ انھیں یہ بات اللہ کے سپرد کرنی چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے جو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کی ملاقات کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہ بڑے عالم سیدنا خضر علیہ السلام تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ جو خیر و بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے، اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں۔

سیدنا خضر علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے کیونکہ مجھے اللہ کی طرف سے ایسا علم عطا ہوا ہے جسے تم نہیں جانتے اور تمھیں اللہ کی طرف سے وہ علم ملا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ خیر موسیٰ علیہ السلام نے انھیں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی یقین دہانی کرائی تو دونوں بزرگ ایک کشتی میں بیٹھ کر سفر پر روانہ ہوگئے۔ کشتی والوں نے سیدنا خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کرایہ لینے سے انکار کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد خضر علیہ السلام نے ایک تیشے کے ذریعے کشتی کے تختوں کو اکھیڑنا شروع کر دیا جس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے اور تنقید شروع کر دی۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے انھیں ان کا عہد یاد دلایا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی اور آیندہ ایسا نہ کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ کچھ آگے جا کر وہ دونوں کشتی سے اتر آئے۔ ابھی وہ ساحل پر چل ہی رہے تھے کہ سیدنا خضر علیہ السلام کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ سیدنا خضر علیہ السلام آگے بڑھے، لڑکے کو گردن سے

دبوچا اور اس کا کام تمام کردیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پھر خاموش نہ رہ سکے اور دوبارہ اعتراض کردیا کہ آپ نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کردیا ہے۔ یقیناً یہ بہت بری حرکت ہے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام خود پر ضبط نہ رکھ سکے۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پھر معذرت کی۔ دونوں نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ ایک بستی سے ان کا گزر ہوا، انھوں نے بستی والوں سے کھانا طلب کیا لیکن اہل بستی نے ان کی ضیافت سے انکار کردیا۔ کچھ فاصلے پر سیدنا خضر علیہ السلام کو ایک دیوار نظر آئی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ معجزانہ طور پر سیدھی ہوگئی۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام جو بستی والوں کے رویے سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، خضر علیہ السلام کے اس بلامعاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان لوگوں نے ہماری ضیافت تک کی پروا نہیں کی تو یہ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا اعتراض تھا جس کا اظہار انھوں نے اپنے عہد کے برعکس کیا۔ اس پر سیدنا خضر علیہ السلام ان سے کہنے لگے: یہاں آپ کے اور میرے درمیان جدائی ہے ہم مزید اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ تاہم ان واقعات کی اصل حقیقت میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ پھر سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان واقعات کی اصلیت سے پردہ اٹھایا۔(صحیح البخاري:4726,4725، وصحیح مسلم: 2380)

ان واقعات میں سے ہمارے موضوع سے متعلق بچے کے قتل کا قصہ ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔'' (الکھف 80:18)

قرآن نے بچے کے والدین کے لیے ''ابویہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو ماں باپ دونوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ بچے کا قتل جہاں باپ کے لیے آزمائش تھا وہاں جذبۂ مامتا کا ایک بہت بڑا امتحان بھی تھا، لیکن رضا بالقضاء کے نتیجے میں یہ مومن والدین اس آزمائش میں کامیاب ہوگئے۔

اس بچے کے والدین کا نام کیا تھا؟ بالخصوص والدہ کا نام کیا تھا، اس حوالے سے معلومات کا کوئی مستند ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ نہ کسی معتبر مفسر ہی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بچے اور اس کے والدین کے متعلق مزید درست معلومات بھی کہیں دستیاب نہیں ہیں۔ اس حوالے سے بعض جن واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ اہل کتاب سے ماخوذ ہیں جن کی نہ ہم تصدیق کرسکتے ہیں نہ تکذیب۔ امام طبری نے ابن جریج کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس مقتول لڑکے کے قتل کے وقت اس کی ماں ایک مسلمان بچے کے ساتھ حاملہ تھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس لڑکے کے بعد اس کی والدہ کے ہاں ایک مسلمان لڑکا پیدا ہوا۔ اس لڑکے سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی نسل سے ستر انبیاء تولد ہوئے۔ (تفسیر طبری: 4/16، وفتح الباری: 275/8)

اہل ایمان ماں باپ کا یہ واقعہ ہمارے لیے متعدد اسباق اور نصیحتیں لیے ہوئے ہے۔ آیئے! ہم ان نصائح کو سمجھنے اور ان کو عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

① جب باعثِ فساد دو کام باہم مقابل آجائیں تو ان میں سے جو کم درجے کا ہو، سنگین نہ ہو، اس کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔ لڑکے کا قتل بھی ایک نقصان تھا اور اس کا والدین کے ساتھ باقی رہنا بھی خطرناک تھا۔ لیکن والدین کے ساتھ لڑکے کا باقی رہنا اس کے قتل سے زیادہ سنگین اور خطرناک تھا کیونکہ اس کے والدین اسے بہت چاہتے تھے، محبت اور لگاؤ کا اظہار کرتے تھے، اگر وہ بلوغت کو پہنچ جاتا اور والدین اس کی صحبت میں رہتے تو اپنے کفر اور سرکشی سے والدین کی نیک نامی ختم کرڈالتا۔ اس لیے کم نقصان والے کام کو اپناتے ہوئے بچے کو قتل کردیا گیا۔

② والدین پر اولاد کا حق ہے کہ وہ بطیب خاطر (کشادہ دلی) سے اولاد کی اعلیٰ تربیت اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ» ''تم میں سے ہر شخص نگران و نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' (صحیح البخاري: 893)

③ اپنی اولاد کو وعظ و نصیحت کرنے پر والدین پر نہ تو

کوئی تاوان و جرمانہ ہوگا نہ وہ کسی ملامت کے مستحق ٹھہریں گے۔ اس لیے والدین کو اس حوالے سے کبھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

④ کفار اور مشرکین کی صحبت اور میل جول سے اجتناب کرنا چاہیے، چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ارشادِ نبوی ہے: «مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ» ''جو شخص کسی مشرک کی صحبت اختیار کرے اور اس کے ساتھ رہائش رکھے تو وہ بھی اسی کی طرح ہے۔'' (سنن أبي داود: 2787)

باہمی صحبت اور ہم وطن ہونا خواہ کسی قدر ہو، اس سے صرف اخلاق و اعمال ہی نہیں بلکہ بعض اوقات اعتقادات میں بھی خرابی آنی شروع ہوجاتی ہے خواہ اس کی اثر پذیری دھیمی ہو۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے کفار کی صحبت، ان کے علاقے میں مستقل رہائش یا ان کی مشابہت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ والدین کے دین اور اعتقادات کے تحفظ ہی کی بنا پر سیدنا خضر علیہ السلام نے ان کے کافر لڑکے کو قتل کیا تھا۔

⑤ والدین کی نیکوکاری اور اصلاح، اولاد کی نیکوکاری اور اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ مقتول لڑکے کے والدین نیک تھے، اس لیے سیدنا خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کے قتل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کے بدلے میں ایسی اولاد دے گا جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ ہوگی۔ لہٰذا اگر والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک سیرت اور بااخلاق ہو تو وہ خود کو ٹٹولیں۔ اپنا جائزہ لیں کہ سیرت سازی اور اعلیٰ اخلاق میں وہ کہاں کھڑے ہیں۔ جہاں وہ ہوں گے، ان شاء اللہ ان کی اولاد بھی انھی کی پیروکار ہوگی۔

⑥ اس کافر لڑکے کا باقی رہنا، اس کے خاتمے سے زیادہ شر و فساد کا باعث تھا۔ اس لیے بحکم الٰہی سیدنا خضر علیہ السلام نے اس سے اس کی زندگی چھین لی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کے ہر کام میں ضرور کوئی مصلحت اور حکمت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر حال میں قضائے الٰہی پر راضی رہنا چاہیے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بڑے خوش ہوئے اور جب اسے قتل کیا گیا تو وہ بڑے غمزدہ ہوئے۔ اگر وہ لڑکا زندہ رہتا تو اپنے والدین کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنتا، لہٰذا آدمی کو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے کیونکہ ایک مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ جسے وہ ناپسند کرے، اس فیصلے سے بہتر ہے جسے وہ پسند کرے۔ (تفسیر ابن کثیر (اردو): 792/3) نیز صحیح حدیث میں ارشاد نبوی ہے: ''اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو فیصلہ بھی فرمائے، وہ اس کے لیے بہتر ہے۔'' (مسند أحمد: 184/3، وصحيح ابن حبان: 728) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ''ممکن ہے ایک چیز تمھیں بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو۔'' (البقرة 216:2)

⑦ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ، اس کے رسول اور ہر اس چیز پر ایمان جس پر ایمان لانے کا شریعت اسلامیہ نے حکم دیا، انسان کی ملکیت کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ والدین کے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے، مگر وہ ایمان کی سلامتی کی خاطر فراخ دلی سے اس بلوے کو قبول کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان اس قدر قیمتی ہے کہ اولاد جیسی گراں مایہ نعمت بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اگر ایمان کی حفاظت کی خاطر اولاد کی قربانی بھی دینی پڑے تو یہ خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ بڑا مبارک کاروبار ہے۔ افسوس کہ اکثر لوگ اولاد کی خاطر ایمان کو بیچ ڈالتے ہیں۔ ایمان کی ناقدری کے نتیجے میں پھر وہی اولاد ان کو بیچنے پر تل جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں ہم قیمتی بن جائیں تو ہمیں اپنے ایمان کو ہر چیز سے قیمتی بنانا ہوگا جیسا کہ لڑکے کے والدین کے کردار سے عیاں ہوتا ہے۔

⑧ بسا اوقات اللہ تعالیٰ نیک والدین کی بری اولاد کے ساتھ آزمائش کرتا ہے جیسا کہ اس واقعے میں ہم دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر والدین ایمان میں مخلص ہوں اور ایمان کی حفاظت کر کے اس آزمائش میں کامیاب ہوجائیں تو پھر رب تعالیٰ انعام میں انھیں بہترین نیک، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور والی اولاد عطا فرماتا ہے جیسا کہ ان مومن والدین کو کافر بچے کے عوض نیک اولاد عطا کی گئی۔ لہٰذا ہمیں ہر حال میں اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ ایمان ہے تو جہاں ہے۔ ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و سلامتی والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین!



محسن فارانی

اسرائیلی درندگی

فلسطین کے تاریخی پس منظر میں

ارضِ مقدس فلسطین ایک بار پھر صہیونی یہودی اسرائیلی درندوں کے ہاتھوں آتش و آہن کی زد میں ہے۔ فلسطین کے مسلمان بیٹے، بچے خاک و خون میں لوٹ رہے ہیں۔ غزہ جہاں رسول کریم ﷺ کے پردادا جناب ہاشم تجارت کے لیے تشریف لائے تھے، وہیں انتقال کر گئے تھے اور ان کا مدفن ہونے کے باعث بحیرۂ روم کا یہ ساحلی شہر غزۂ ہاشم کہلانے لگا، آج اس غزہ کی پٹی میں ملعونِ زمانہ اسرائیلی یہودیوں نے ایک بار پھر تباہی مچادی ہے۔ سؤر کی طرح پلا ہوا خونخوار اسرائیلی وزیراعظم بنیامن نیتن یاہو ایک سفاک درندہ ہے جو عالمی سطح کے دہشت گرد امریکیوں کی غیر اخلاقی امداد کے بل پر فلسطینی مسلمانوں کا خون بہائے چلا جارہا ہے۔ عالمی امن کے ٹھیکیدار ''اقوام متحدہ'' کو سانپ سونگھ گیا ہے، کیونکہ وہ تو یہود و نصاریٰ کی لونڈی ہے!

ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام تقریباً چار ہزار سال پہلے عراق سے حران (ترکی) اور حلب (شام) سے ہوتے ہوئے فلسطین تشریف لائے تھے اور یہاں ایک پہاڑی پر قیام کیا تھا۔ پھر وہیں ان کے پوتے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ''بیت ہمقدش'' تعمیر کیا تھا جو عربی میں بیت المقدس کہلایا اور اس مقدس گھر (مسجد) کے نام سے وہاں آباد ہونے والے شہر کو بھی بیت المقدس کہا جانے لگا۔ اس کا دوسرا نام یروشلم یعنی ''شہرامن'' (''شلم'' یا ''سلم'' بمعنی سلامتی) تھا۔ سیدنا یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی جو سیدنا یوسف علیہ السلام کی معیت میں مصر جا آباد ہوئی۔ ایک مدت بعد مقامی قبطیوں (فرعونیوں) نے انھیں غلام بنالیا۔ تیرھویں صدی ق م میں سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام انھیں فرعونیوں کی غلامی سے نکال کر فلسطین کی طرف لائے۔ فلسطین میں داخل



ہونے سے پہلے سیدنا ہارون علیہ السلام کوہ ہور پر وفات پاگئے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہِ نبو (اردن) کے مقام پر انتقال کرگئے اور پھر ان کے خلیفہ یوشع بن نون کے ہمراہ بنی اسرائیل فلسطین میں لڑتے بھڑتے داخل ہوئے۔ اس وقت فلسطین میں فلستی قوم آباد تھی جس کے نام پر بعد میں یہ سرزمین فلسطین کہلائی۔ بنی اسرائیل نے فلستیوں کے ساتھ امن و امان سے رہنے کے بجائے جنگجوئی اور خونریزی کی روش اختیار کی۔ 1000 ق م کے لگ بھگ سیدنا داؤد علیہ السلام کو یہاں بادشاہت ملی جسے ان کے فرزند سیدنا سلیمان علیہ السلام نے وسعت دی۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں ازسرنو اللہ کا گھر تعمیر کیا جو یہود میں ''ہیکل سلیمانی'' کہلایا۔

ان کے بعد بنی اسرائیل جو یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کے نام پر یہودی کہلانے لگے تھے اللہ کے دین کو پس پشت ڈال کر تورات موسیٰ اور زبورِ داؤد میں تحریف کرکے شرک و بت پرستی میں ملوث ہوگئے حتی کہ وہ انبیاء کو قتل کردیتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمال میں اسرائیل اور جنوب میں یہودیہ (یروشلم)۔ 722 ق م میں اشوری بادشاہ سارگون دوم نے اسرائیل کا خاتمہ کردیا اور پھر 586 ق م میں شاہ بابل بخت نصر کی شکل میں یہودیہ کے بنی اسرائیل پر عذاب نازل ہوا جس نے ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو تباہ کردیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا۔ پھر نصف صدی بعد ایران (فارس) کے نیک دل بادشاہ کوروش کبیر (ذوالقرنین، یونانی نام سائرس) نے 539 ق م میں بابل فتح کرکے یہودیوں کو رہائی دلائی اور انھیں واپس فلسطین آکر دوبارہ ہیکل تعمیر کرنے کا موقع ملا۔ لیکن یہودیوں نے ہدایتِ الٰہی سے منہ موڑ کر ایک بار پھر اللہ کی نافرمانی اور صریح شرک کا چلن اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ ان دنوں فلسطین و شام، ترکی و یونان اور مصر و طرابلس پر بت پرست رومی قابض ہوچکے تھے۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی جان لینے کے درپے ہوگئے۔ رومی گورنر سے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوانے کے وارنٹ حاصل کرلیے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ابلیسی چال ناکام بنادی اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ اس سے پہلے شاہ یہود ہیرودیس نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے وعظ پر ناراض ہوکر انھیں شہید کردیا تھا۔ یہود کے اس کفر و شکر کی سزا انھیں 70ء میں ملی جب رومی جرنیل ٹائٹس نے ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو ملیامیٹ کردیا۔ پھر 135ء میں رومی قیصر ہیڈرین نے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کردیا اور وہ دنیا میں بکھر گئے۔ اب وہ صرف سال میں ایک بار زیارت کے لیے فلسطین آسکتے تھے۔ قیصر قسطنطین اعظم (306-37ء) عیسائی ہوا تو عیسائیت رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پائی اور فلسطینی باشندے اس مذہب کے حلقہ بگوش ہوگئے۔



ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کا سورج طلوع ہوا اور وسطی ایشیا (ترکستان) سے مراکش کے ساحلِ اوقیانوس تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو مسلمانوں کے زیرحکومت یہودیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس دوران میں یورپ کی مسیحی ریاستوں میں یہودیوں پر مظالم ڈھائے جاتے تھے جبکہ اندلس، مراکش، مصر، یمن، ایران اور سلطنت عثمانیہ میں یہودی آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ فلسطینی باشندے تمام تر اسلام کے سایۂ رحمت میں آگئے تھے اور ہیکل سلیمانی کی جگہ کا ملبہ صاف کرکے مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کرلی تھی۔ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ یہیں سے معجزانہ طور پر معراج آسمانی کو تشریف لے گئے تھے اور چودہ پندرہ برس بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا تھا حتی کہ 2ھ میں تحویل قبلہ کا حکم آگیا اور کعبہ (مکہ مکرمہ) قبلہ قرار پایا۔ عہد فاروقی 637ء/16ھ میں مسلمانوں نے پرامن طور پر بیت المقدس فتح کرلیا۔

قیصر ہیڈرین نے ہیکل سلیمانی کی جگہ مشتری دیوتا (جوپیٹر) کا مندر بنادیا تھا۔ اس پر یہودیوں نے بغاوت کی تو انھیں جلاوطنی کا دُکھ سہنا پڑا تھا۔ بعد میں عیسائیوں کا غلبہ ہوا تو انھوں نے مشتری دیوتا کا مندر مسمار کردیا اور مسلمانوں نے اسی کے ملبے کو صاف کرکے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ Temple Mount تعمیر کیے تھے جس کے نیچے یہود کی مقدس چٹان ہے جو اُن کا قبلہ ہے۔ 492ھ/1099ء میں یورپ کے صلیبی لشکر فلسطین اور بیت المقدس پر آن قابض ہوئے۔ صلیبی درندوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ گزیں 70 ہزار مسلمان شہید کردیے۔ اکانوے سال بعد 583ھ/1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو آزاد کرایا اور صلیبیوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا۔ اس دوران میں یہودی یہاں آکر پہلے مشتری مندر اور پھر مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار کو جو ان کے مطابق ہیکل سلیمانی کی بقیہ دیوار ہے، چومتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ ان کے آباء کی سرزمین (ارض موعود) انھیں واپس مل جائے، حالانکہ وہ تو ان کے یہاں آنے سے پہلے ہی فلسطینیوں کی ملکیت تھی اور یہود کا اس پر کوئی مستقل حق نہ تھا۔ پونے دو ہزار سال یہود دربدر رہے۔ اس دوران میں انھوں نے یورپ اور امریکہ کو بینکاری کے سودی نظام میں جکڑ لیا۔ 1897ء میں بڑے بڑے سرمایہ دار یہودی سوئٹزرلینڈ کے شہر بازل میں جمع ہوئے اور انھوں نے یہودی اکابر کے وثیقے (Prolocols) منظور کیے۔ اس وقت عراق، شام و لبنان، فلسطین و اردن اور حجاز میں ہنوز عثمانی اسلامی پرچم لہراتا تھا اور قسطنطنیہ میں عثمانی خلیفہ مسلمانوں کی وحدت کی علامت تھا۔ انھی دنوں تھیوڈور ہرزل کی قیادت میں یہودیوں کا ایک وفد خلیفہ عبدالحمید ثانی سے ملا اور سلطنت عثمانیہ کے عوض فلسطین میں ایک یہودی ریاست (ہوم لینڈ) کی مانگ کی مگر خلیفہ نے صاف جواب دے دیا۔ اس وفد میں ترک یہودی قرہ صوآفندی بھی شامل تھا۔ بعد میں 1909ء میں وہی قرہ صوآفندی ترک جرنیلوں اور سیاستدانوں کے اس وفد میں بھی شامل تھا جو مجلس (پارلیمنٹ) کی طرف سے خلافت سے دست برداری کا پروانہ لے کر خلیفہ عبدالحمید ثانی کے پاس گیا اور اسے دست برداری پر مجبور کردیا۔

پہلی جنگ عظیم میں یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت ترکی کو جنگ میں الجھایا گیا۔ ادھر انگریزوں نے شریف مکہ حسین بن علی ہاشمی کو گانٹھ لیا تھا۔ غرضیکہ دسمبر 1917ء میں برطانوی فوج بیت المقدس پر قابض ہوگئی۔ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کردیے گئے۔ غدار حسین ہاشمی کے بیٹے عبداللہ کو انگریزوں کے زیرسایہ اردن کی ''حکومت'' مل گئی اور دوسرے بیٹے فیصل کو عراق کی ''بادشاہت'' عطا ہوئی۔ شام و لبنان پر فرانس قابض ہوگیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جو جمعیت اقوام (Leage of Nations) قائم ہوئی اس نے فلسطین کا مینڈیٹ غیرقانونی طور پر برطانیہ کو سونپ دیا۔ چونکہ برطانوی وزیرخارجہ بالفور نے ''اعلان بالفور'' (1917ء) کے تحت فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کا خفیہ معاہدہ کیا ہوا تھا، برطانوی حکومت نے ہربرٹ سیموئل نامی یہودی کو فلسطین کا کمشنر بنا کر بھیج دیا۔ اس یہودی کمشنر نے فلسطین کے دروازے دنیا بھر کے یہودیوں کے لیے کھول دیے، چنانچہ روس، یوکرین، ہنگری، پولینڈ وغیرہ سے یہودی جہازوں میں بھر بھر کر فلسطین کے ساحل پر اترنے لگے۔ وہ منہ مانگی قیمت دے کر عاقبت نااندیش عربوں سے زمینیں ہتھیانے لگے۔ 1933ء میں جرمنی میں نازی لیڈر ہٹلر نے برسراقتدار آکر یہودیوں کو پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے انھیں داروگیر کے شکنجے میں جکڑا تو یورپی یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت اور تیز ہوگئی۔ نوبت بہ ایں جارسید کہ 1921ء میں فلسطین میں جو یہودی 84 ہزار تھے، 1947ء میں اُن کی تعداد چھ لاکھ سے بڑھ گئی۔ آخرکار یہود و نصاریٰ کی لونڈی اقوام متحدہ جو 1945ء میں قائم ہوئی تھی اس نے اکتوبر 1947ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کرلی اور اس میں بھی انصاف کا خون یوں کیا کہ سوا چھ لاکھ یہودیوں کو تو فلسطین کا 55 فیصد رقبہ بخش دیا جبکہ ساڑھے بارہ لاکھ عربوں (مسلمانوں اور عیسائیوں) کے لیے صرف 45 فیصد چھوڑا۔ عربوں نے اس ناجائز تقسیم کو نامنظور کیا۔ اس دوران میں یہودی خود کو مسلح کرتے رہے۔ یورپ سے ان کے لیے جدید ترین اسلحہ آتا رہا۔ جب ''تیاری'' مکمل ہوگئی تو 14 مئی 1948ء کو برطانیہ نے اچانک اپنا مینڈیٹ ختم کرنے کا اعلان کردیا اور اسی روز یہودیوں نے تل ابیب میں قیام اسرائیل کا



عراق

تجزیاتی رپورٹ

راقم کی رائے میں عراق کی موجودہ حیران کن صورت حال بین الاقوامی سازش کا ایک حصہ ہے کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک تربیت یافتہ فورس جس کو دنیا کے بہترین تربیت دہندہ امریکیوں (AmericanTrainers) نے ہر قسم کی جنگی تربیت کے علاوہ اس کے رموز و اسرار سے بھی آگاہ کیا ہو، جس کی تربیت پر بیس بلین ڈالرز خرچہ آیا ہو، اس کے پاس وقت کے جدید ترین ہتھیار، مثلاً: اپاچی ہیلی کاپٹرز، گن شپ، ایف سولہ لڑاکا طیارے، ابراہم اعلان کردیا جسے ناجائز ہونے کے باوجود روس اور امریکہ نے فوراً تسلیم کرلیا۔

اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی اسرائیلیوں اور عربوں میں جنگ چھڑ گئی۔ عرب ممالک مصر، سعودی عرب، اردن، شام، عراق کی فوجیں بھی جنگ میں شامل ہوگئیں مگر یہودی اپنی اسلحی برتری، کامل اتحاد اور مغربی سرپرستی کے باعث کامیاب رہے جبکہ عربوں میں اتحاد نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ آخرکار 1949ء میں جنگ بندی عمل میں آئی تو فلسطین کا 78 فیصد رقبہ اسرائیل کے قبضے میں جاچکا تھا، البتہ غزہ کی پٹی پر مصر قابض ہوگیا اور غرب اردن (ویسٹ بینک) بشمول مشرقی یروشلم (بیت المقدس) اردن کے قبضے میں آئے۔ اس دوران میں یہودیوں نے جگہ جگہ فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ دیر یاسین کا قتل عام یہودی لیڈر اضحاک شامیر کی دہشت گرد تنظیم کا کارنامہ تھا جو 1970ء کی دہائی میں اسرائیل کا وزیراعظم بنا۔ دریں اثنا یہودیوں نے لاکھوں فلسطینیوں کو ان کی زمینوں، گھروں اور باغات سے بے دخل کردیا جنھیں ہمسایہ عرب ملکوں میں پناہ لینی پڑی۔ پھر جون 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے مصر سے غزہ کی پٹی، اردن سے غرب اردن اور بیت المقدس اور شام سے جولان کا علاقہ چھین لیے۔ مصر سے صحرائے سینا بھی چھن گیا۔ آخرکار شاہ حسین (اردن) اور مصری صدر انور سادات نے گھٹنے ٹیک دیے اور دونوں نے اسرائیل کا ناجائز وجود تسلیم کرکے اس کے

بقیہ صفحہ نمبر 35 پر

ٹینکوں اور ہمویز جنگی گاڑیوں سمیت جدید امریکی اسلحہ کی بھرمار ہو، اس کے باوجود تیس ہزار سرکاری فوجی و پولیس اہلکار چند مٹھی بھر جنگجوؤں کے آگے ایک ہی آن میں ڈھیر ہو جائیں۔ انتہائی تزویراتی (Strategic) اہمیت کے حامل شہر ''موصل'' سے جاتے ہوئے عراقی شیعہ فورسز اپنی گاڑیاں، ہیلی کاپٹرز، ٹینک، گولہ بارود کے ذخائر حتی کہ یونیفارم تک چھوڑ گئے، اور مقابلہ کیے بغیر انخلاء کرنے والی آبادی میں شامل ہو کر سول کپڑوں میں بھاگ گئیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بیس لاکھ سے زائد آبادی والے شہر پر صرف آٹھ سو کے قریب جنگجوؤں نے چند گھنٹوں کے اندر قبضہ کر لیا۔ جبکہ اس سے قبل ''داعش'' نے صرف چار دنوں میں چار بڑے شہروں پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت ''داعش'' کے زیرتسلط علاقے کا رقبہ ناجائز صہیونی ریاست ''اسرائیل'' اور لبنان کے مجموعی رقبے سے زیادہ ہے۔ 29 جون کو موصل میں داعش کے سربراہ ابوبکر بغدادی کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا ہے اور اب وہ خلیفہ ابراہیم کہلاتے ہیں۔

اس وقت زیر بحث مسئلہ ''داعش'' نہیں بلکہ خطے کی صورتِ حال کا عسکری نقطہ نظر سے جائزہ پیش کرنا ہے۔ عراق کے موجودہ زمینی حالات بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے کیونکہ امریکہ نے جب بشار مخالف شامی حزب اختلاف ''شامی نیشنل الائنس'' پر ''داعش'' کے خلاف عسکری کارروائیاں کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تو اس کی قیادت نے امریکی دباؤ کو یکسر مسترد کر دیا۔ اس پر ٹھیک اڑتالیس گھنٹوں کے بعد الائنس کے سربراہ احمد الجربا کو تبدیل کر کے امریکی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل مغربی حمایت یافتہ ہادی البحرہ کو سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ (صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ طاغوتی طاقتیں خطے میں ایک نئے فتنے کو جنم دینے کے لیے مکمل منصوبہ بندی کر رہی ہیں) 12 جولائی کو شام کے شہر حلب میں برسرِ پیکار ''النصرۃ فرنٹ'' کے سربراہ ابومحمد الجولانی کے اسلامی امارت کے اعلان سے خطے کی سیاسی صورت حال نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔ انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ اس امارت کا مقصد اللہ کی شریعت کا نفاذ اور فسادیوں کا خاتمہ ہے۔

عراق کی ہر لمحے بدلتی ہوئی صورت حال کو سمجھنے کے لیے ہمیں 28 مئی کے اوباما کے اس خطاب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ''ہم مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں بڑھتے ہوئے خطرات کا مقابلہ کریں گے۔'' موصل پر قبضے کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ مشرق وسطیٰ میں اسے کن خطرات کا سامنا ہے۔ بات بہت ہی واضح تھی کہ اگلا میدان مشرقِ وسطیٰ ہو گا جس کا بیس کیمپ (Base Camp) سرزمین شام میں ہو گا لیکن نشانے پر پورا مشرقِ وسطیٰ ہو گا۔ یہ اشارے و کنایے وہی سمجھ سکتا ہے جو جنگوں کی تزویرات (Strategy) پر گہرا عبور رکھتا ہو۔ محترم قارئین کی سہولت کے لیے یہاں مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے نام درج کیے جا رہے ہیں تاکہ خطے میں آنے والے خطرات کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ ملعون یہودی اس خطے سے متعلق کیا پوشیدہ مکروہ عزائم رکھتے ہیں۔ ① سعودی عرب ② مصر ③ کویت ④ قطر ⑤ متحدہ عرب امارات ⑥ عراق ⑦ ایران ⑧ اسرائیل ⑨ شام ⑩





لبنان ⑪ اردن ⑫ عمان ⑬ یمن ⑭ فلسطین اور ⑮ بحرین۔ اس سلسلے میں راقم نے تمام صورتِ حال کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے۔

① راقم کے خیال میں لیبیا پر حملے کو عراق میں Replay کیا گیا ہے کہ جس طرح لیبیا میں قذافی حکومت کو ختم کرنے کے لیے الحاج و القاعدہ کو استعمال کیا گیا، پھر آج تک لیبیا میں امن و امان و استحکام پیدا نہیں ہونے دیا گیا۔ اور حکومت ہر وقت مسلح ملیشیا سے دست و گریباں رہتی ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ لیبیا کے تیل کے ذخائر ابھی تک اس خانہ جنگی سے محفوظ ہیں جن کو مغربی کمپنیاں ایک خاص معاہدے کے تحت اپنی تحویل میں لے چکی ہیں اور امریکہ و یورپ کو تیل کی سپلائی بلاروک ٹوک جاری ہے۔ اسی طرح شام اور عراق میں بڑھتے ہوئے ایرانی اثر و رسوخ کو روکنے کے لیے دانستہ یا پھر غیر دانستہ طور پر ''داعش'' کو استعمال کیا جائے گا جس کے ساتھ ہی عراق میں حکومت اور اہل سنت کے درمیان فرقہ واریت اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ اس سے خطے میں نہ ختم ہونے والی جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جو صہیونی دجالی منصوبے ''گریٹر اسرائیل'' کا خواب ہے جو بالآخر عراق کی تقسیم کا موجب بنے گا۔ ملک میں بدامنی اور طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خودمختار کردستان کے صدر مسعود برزانی نے گزشتہ روز علاقائی پارلیمان سے عراق سے علیحدگی کے لیے ریفرنڈم کی تاریخ مقرر کرنے پر زور دیا ہے۔ اور تو اور ناجائز صہیونی ریاست ''اسرائیل'' کے وزیر اعظم بینجمن نیتن یاہو نے تل ابیب میں ادارہ برائے مطالعہ قومی سلامتی (Institute of National Security Studies) نامی تھنک ٹینک سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''میرے خیال میں یہ ہمارا مشترکہ مفاد ہے کہ عراق کے کرد علاقے میں ایک آزاد کرد ریاست کے قیام میں مدد کی جانی چاہیے۔'' اس کی تصدیق سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ عراق کی موجودہ صورت حال سے خانہ جنگی کے اشارے مل رہے ہیں جس سے عراق کی آزادی کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ بیرونی طاقتیں عراق کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لیبیا میں حکومت مخالف جنگجوؤں کو فضائی سپورٹ حاصل تھی تو یہاں جنگجوؤں کے خلاف عراقی حکومت کو امریکی فضائی سپورٹ حاصل ہے۔

② راقم کی رائے میں عراق کی تقسیم کچھ اس طرح کی جائے گی کہ وہاں ہر وقت خونِ مسلم بہتا رہے۔ اس کے لیے عراق کو تین واضح حصوں میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنا لیا گیا ہے: ① کرد ریاست ② عرب شیعہ ریاست ③ سنی ریاست۔ نئے یہودی ڈاکٹرائن کے مطابق کرد ریاست کو ناجائز صہیونی ریاست ''اسرائیل'' کے قریب کیا جائے گا جبکہ سنی ریاست میں ''داعش'' جیسے جنگجو گروپوں کو منتقل کر کے اندرونِ عراق اور عرب ریاستوں کے اندر مستقل بنیادوں پر سیاسی و معاشی عدم استحکام پیدا کیا جائے گا۔

③ راقم کی رائے میں اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عراق میں ایرانی فوج کو داخل کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا تاکہ ایک طرف وہ عراق سے شام جانے والے اسلامی عسکریت پسندوں کا راستہ روک سکیں تو دوسری جانب جب بھی ضرورت محسوس ہو ایرانی فورس بلاجھجک شام میں داخل ہو کر بشار حکومت کو عسکری سپورٹ فراہم کر سکے، خاص طور پر اس موقع پر جب بشار فورسز شکست سے دو چار ہونے کے قریب ہوں کیونکہ شام میں اسلام پسندوں کی استقامت نے مغرب، روس، ایران و حزب اللہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور مستقبل میں ان کو بشار کے جانے کا خوف لاحق ہو چکا ہے۔ لبنان کے راستے ایرانی فورس کو شام میں داخلے کے لیے کوئی زمینی راستہ نہیں اور اب تک ایرانی حکومت افرادی قوت و اسلحہ کی سپلائی عراق کے راستے ہی سے کیا کرتی تھی۔ ادھر لبنانی حکومت حزب اللہ کی بیرون ملک دہشت گردانہ کارروائیوں سے خاصی پریشان ہو گئی جس نے حکومت اور عوام کو دو واضح حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جس سے لبنان کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی اور عوام بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن عراق میں ایران کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں کیونکہ حکومت بھی ان کی اور آدھے سے زیادہ ہم مسلک عراقی خطہ بھی ان کے کنٹرول میں ہے۔ اور سب سے بڑی بات عراق کا بارڈر ایران کے ساتھ ملتا ہے جس کی





وجہ سے ایران کو کسی بھی قسم کی لاجسٹک موومنٹ میں مشکل پیش نہیں آئے گی اور عراق کے راستے شام میں داخل ہونے والے اسلام پسندوں کو روکا جا سکے گا۔ اس طرح شام میں داخل ہونے والے جنگجوؤں کے پاس صرف ترکی کا راستہ رہ جائے گا کیونکہ لبنان کی حدود پر حزب اللہ بیٹھا ہوا ہے تو دوسری جانب اردن نے بھی اپنی حدود پر سختی کی ہوئی ہے۔

④ اگر ایران ایک دفعہ عراق میں داخل ہو گیا تو راقم کے خیال میں وہ واپس نہیں جائے گا۔ اپنی مستقل موجودگی کی سب سے بڑی دلیل وہ یہ دے گا کہ وہ شیعی مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے رکا ہوا ہے اور یہ اس کا مذہبی فریضہ ہے، یعنی یہاں بھی ایران، شام والی پالیسی کو اختیار کرے گا۔ بدقسمتی سے ایرانی مذہبی قیادت یہ سمجھتی ہے کہ خطے میں ان کا سب سے بڑا حریف ''سعودی عرب'' ہے۔ اس طرح ایران بغداد سے ہوتا ہوا کربلا و نجف کے راستے بغیر کسی رکاوٹ کے سعودی سرحد پر آ پہنچے گا۔ دوسری جانب ایران بصرہ سے ہوتا ہوا کویت تک پہنچ جائے گا۔ پھر یہ دونوں ملک براہ راست ایرانی میزائلوں اور توپ خانے کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح ایران گلف کی ریاستوں کی آڑ میں سعودیہ کو ہر وقت بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں آجائے گا۔ کیونکہ کربلا، نجف اور بصرہ مکمل طور پر سخت گیر شیعہ ملیشیا کے کنٹرول میں ہیں۔ تب یہ صورت حال خطے کے لیے کسی آتش فشاں سے کم نہیں ہوگی۔

⑤ اس سوچے سمجھے منصوبے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایرانی فوج کو خطے میں اتنا پھیلا دیا جائے کہ اس کی مرکزیت نہ ہونے کے برابر رہ جائے اور اس کو آپس کی جنگوں میں اتنا الجھا دیا جائے کہ آہستہ آہستہ اس کی عسکری صلاحیت مفلوج ہو جائے اور علاقے میں اس کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو جائے۔ جب ایسا وقت آئے تو ناجائز صہیونی ریاست ''اسرائیل'' ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کر کے ان کو تباہ و برباد کر دے۔ تب ایران کے پاس جوابی کارروائی کے لیے کوئی قابل ذکر عسکری قوت نہ ہوگی کیونکہ وہ پہلے ہی خطے میں مختلف مقامات پر جنگجوؤں کے خلاف برسر پیکار ہوگا۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ ناجائز صہیونی ریاست ایسا کرے گی کیونکہ آج تک اسرائیل کی جتنی بھی جنگیں ہوئی ہیں وہ تمام کی تمام عرب ریاستوں کے ساتھ ہوئی ہیں اور صہیونی ریاست آج بھی پاکستان کے بعد عربوں کو ہی اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ بالفرض اگر اسرائیل حملہ کرتا بھی ہے تو وہ اس کو اپنا دینی و مذہبی فریضہ سمجھ کر نہیں کرے گا بلکہ علاقائی مفادات کے تناظر میں یہ حملہ صرف اور صرف ایٹمی تنصیبات تک ہی محدود رہے گا۔

⑥ راقم کے خیال میں اگر ایران کو شام و عراق میں شکست کے آثار نظر آئے تو لامحالہ وہ بحرین پر چڑھائی کر کے ختم نہ ہونے والی ایسی جنگوں کی شروعات کرے گا کہ جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ناجائز صہیونی ریاست اپنی سلامتی کے تحفظ کے نام پر جب خطے میں حملہ آور ہوگی تو اس کے راستے میں کوئی قوت مزاحمت نہیں کر سکے گی۔ اور یہی صہیونیوں کے منصوبے کی آخری کڑی ہے جو دجالی سلطنت کی تکمیل کے لیے راہ ہموار کرے گی جس کا خواب وہ صدیوں سے دیکھ رہے ہیں۔

حقیقت حال تو یہ ہے کہ دہشت گردی کی آڑ میں اسلام کے خلاف شروع کی گئی یہ جنگ دراصل مسلمان کو مسلمان ہی کے خلاف کھڑا کر کے قرآن و سنت کا راستہ روکنے کی صہیونی کوشش ہے جو بظاہر کامیاب نظر آ رہی ہے۔ مثلاً: لیبیا، پاکستان، افغانستان، شام اور اب عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ سب کچھ ملعون یہودیوں کی ناپاک حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ دوسری جانب مقدس مقامات کے تحفظ کی آڑ میں شام کو دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مقتل بنا دیا گیا ہے۔ لیکن افسوس اس وقت کوئی بھی عالم دین اور عسکری جہادی قیادتیں اس کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ جبکہ راقم پچھلے تین سال سے قوم اور دینی رہنماؤں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہہ رہا ہے کہ خدارا سمجھنے کی کوشش کرو کہ خطۂ شام میں برپا کی گئی یہ جنگ ہر حالت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے جو گریٹر اسرائیل کے لیے شروع کی گئی ہے۔ اگر اس وقت ایران کی مذہبی قیادت اور اس کے حلیفوں اور علاقائی طاقتوں نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے فوری طور پر شام اور عراق سے انخلاء (withdrawal) نہ کیا تو ماضی کی تاریخ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ پھر بقول اقبال

تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں





اپیل برائے خریداری پلاٹ مسجد

ایک عرصہ سے جامع مسجد مدینہ اہلحدیث پیرودھائی راولپنڈی میں جگہ کی قلت کی وجہ سے نمازی خواتین وحضرات مسجد سے واپس چلے جاتے تھے۔اشد ضرورت کی بنا پر مسجد کے ساتھ والا 12 مرلے کا پلاٹ 20 لاکھ روپے بیعانہ دے کر خرید لیا گیا ہے۔اور الحمدللہ قبضہ لے کر نمازیں شروع کر دی گئی ہیں۔جس کی مالیت -/1,20,00000 ایک کروڑ بیس لاکھ روپے ہے۔بقایا رقم -/1,0000000 ایک کروڑ روپے 13 نومبر 2014ء تک ادا کرنی ہے۔دن 12 بجے سے لے کر رات 10 بجے تک کسی بھی وقت تشریف لائیں اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ تقریباً پانچ سے آٹھ ہزار نمازی نماز ادا کرتے ہیں۔لہٰذا اس کار خیر میں اپنا حصہ ضرور ڈالیں۔

برائے رابطہ: سردار حاجی محمد بشیر امیر مسجد ھذا و ناظم مالیات مرکزی جمعیت اہلحدیث راولپنڈی 0300-5312822

ڈاکٹر شبیر احمد (فنانس سیکرٹری) 0333-5496770 الائیڈ بینک اکاؤنٹ نمبر 0010030014730016 برانچ کوڈ 0337

ایڈریس: جامع مسجد مدینہ اہلحدیث جنرل بس سٹینڈ بالمقابل تھانہ پیرودھائی راولپنڈی

نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء واضح کرتا ہے کہ ایک وقت میں مرض ہمیشہ ایک عضو یا کسی کے خلیوں میں ہوتا ہے باقی اعضائے رئیسہ کے خلیات میں اُس کے اثرات ہوتے ہیں۔ علاج بھی اُسی بیمار عضو کا ہونا چاہیے۔کامیاب علاج کے لیے بہ یک وقت تین طریقے اپنانے ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ علاج بالتدبیر کیا جائے، یعنی جسمانی اور نفسیاتی طور پر مناسب ماحول مہیا کیا جائے۔دوسرا یہ کہ موافق غذا سے بیمار عضو رئیس کی نشوونما کی جائے۔تیسرا یہ کہ موافق مفردات، مرکبات سے بیمار عضو رئیس کی حالت تسکین کو حالت تحریک میں لا کر صحت بحال کی جائے۔چنانچہ اسی طریق پر درج ذیل 15 روزہ کورسز تیار کیے ہیں۔ان سے شفائے کاملہ وعاجلہ ہوگی، ان شاءاللہ۔

میرا طبی پس منظر یہ ہے کہ فاضل الطب والجراحت مستند درجہ اول ہوں۔2 ایوارڈ اور 1 گولڈ میڈل لے چکا ہوں۔طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔مختلف دو اساز اداروں کا ناظم اعلیٰ اور مختلف اجتماعات پر بطور حکیم لاکھوں مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔میرے تیار کردہ طبی کورسز میں کوئی نشہ آور، کوئی زہریلی یا کوئی ایلوپیتھک دوائی نہیں ہے۔

جس لیبارٹریز سے چاہیں چیک کروالیں۔ہمارے 15 روزہ کورسز درج ذیل ہیں

عصابہ	شوگر	کالی کھانسی	اپینڈکس	مالی خولیا	امراضِ مردانہ	عرق النساء	بال سفید ہونا	ٹی بی	ہیموفیلیا
شقیقہ	سلسل البول	ہچکی	عظم غدد	یوریا	امراض زنانہ	مہرے ہل جانا	بلڈ پریشر	دمہ	بے اولادی
بے خوابی	سوکڑا	کانچ نکلنا	دل کا دورہ	تقطیر البول	وجع المفاصل	تشنج وکزاز	گنجاپن	کیرا	کمی ہارمونز
بند نزلہ	سنگرینی	چنبل	اپھارہ	ٹینشن	تجر المفاصل	برص	کمی خون	استسقاء	عنانت
لکنت	بول بستری	ملیریا	السر	بواسیر	گینٹھیا	رسولیاں	جنون	یرقان	ایزوسپرمیا
پتھری	خواب میں ڈرنا	ٹائیفائیڈ	اماس	اولادِ نرینہ	نقرس	دبلاپن	دل میں سوراخ	اعصابی کمزوری	سداجوانی

کورسز بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رقم پہلے بھیجیں | ملاقات کرنے کے لیے فون پر پہلے وقت لے لیں | عبدالکریم بھٹی شناختی کارڈ نمبر 35103-1466875-3

پنجاب بینک ٹائٹل مبشر کریم بھٹی لائف کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 02140047930009 میزان بینک ٹائٹل عبدالکریم بھٹی سیونگ اکاؤنٹ نمبر 0101053034 7001

الائیڈ بینک ٹائٹل عبدالکریم بھٹی الائیڈ ایزی کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0010000692380027 0479 یو بی ایل اومنی ٹائٹل عبدالکریم بھٹی اکاؤنٹ نمبر 7545119 0345

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی نئی منڈی حبیب آباد (واں رادھارام) تحصیل پتوکی ڈویژن لاہور

Jazz:0345-7545119, Telenor: 0313-7545119